باب ہفتم:

تاشہ پسونا

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے....نیم تاریک....

آتش دان میں لکڑیاں جل رہی ہیں....

الماری کے سامنے مراد کھڑا ہے.... ہاتھ میں ایک بوتل ہے....

اندر پانی کی طرح کا بے رنگ مشروب ہے....

بوتل کے پیندے میں ایک سکہ اور ڈلی بیٹھی ہے....

وہ الماری کا پٹ کھول کے بوتل اندر رکھتا ہے....

پھر مڑتا ہے....تو ٹھٹھک جاتا ہے....

وہ لڑکی چوکھٹ پہ کھڑی ہے....انگلیاں مروڑتی....خوف کے باوجود خود کو سنجیدہ رکھے....مراد تیزی سے اس کے قریب آتا ہے ....پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے....

"تالیہ....میں جانتا ہوں تم خوفزدہ ہو اور...."

"نہیں تو۔" وہ پر یقین انداز میں سر کو نفی میں ہلاتی ہے مگر فضا میں خوف اور پریشانی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

"اور تم پریشان بھی ہو۔" وہ اس کو سنے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہے جا رہا ہے۔"مگر برے دن جلد ختم ہو جائیں گے۔ اچھے دن قریب ہیں۔"

"یہ شور کیسا ہے بابا؟ 'الورسونگائی' میں سرِ شام ہی کیسے لوگ گھس آئے ہیں؟"

مراد گہری سانس لیتا ہے۔"یہ بندہارا اور شہزادی کے سپاہی ہیں۔ یہ پورے گاؤں سے شکار بازوں کو گرفتار کر کے محل کے قید خانوں میں ڈال رہے ہیں۔"

اسے اپنے اندر غصہ ابلتا محسوس ہوتا ہے۔"شہزادی اتنی ظالم کیوں ہے' بابا؟ وہ کب تک الورسونگائی کے لوگوں پہ ظلم کرتی رہے گی؟"

پھر یکدم وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتی ہے اور یہ خوف اس کو چونکا دیتا ہے۔ وہ مراد کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامتی ہے۔

''بابا...کیا وہ آپ کو بھی گرفتار کرلیں گے؟'' پھر ہراساں سی وہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔ ''میں آپ کو گرفتار ہونے نہیں دوں گی۔''

باہر گھر کا بیرونی دروازہ دھڑ دھڑاتا ہے۔ مراد اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔

''تالیہ....وہ آگئے ہیں۔ میری بات غور سے سنو بیٹی۔''

وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے مگر دروازے پہ شور بڑھتا جا رہا ہے۔ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں....مراد حاضر ہو....وہ مسلسل خوف اور پریشانی سے نفی میں سر ہلائے جا رہی ہے....

''تالیہ...قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے....اس کو قربانی دینی پڑتی ہے....یہ میری قربانی کا وقت ہے....وہ مجھے لینے آئے ہیں....مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ...کہ تم میرا ایک حکم مان لو....'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''جی بابا....میں کیا کروں...مجھے بتاؤ بابا۔''

''یہ قربانی تمہیں الورسونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہوگی....تالیہ....اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے....دوگی نا؟!''

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں....خوف اور بے یقینی کی فضا....ہراسیت....اور دروازے پہ ہوتی زوردار دستک....

اور یہیں خواب ٹوٹ گیا تھا......

☆......☆......☆

وہ سال تھا 1459 عیسوی۔

اور سلطنت تھی سرزمینِ ملاکہ کی جو کئی ریاستوں اور ملکوں سے وسیع و عریض تھی۔

اس میں کہیں وہ گھنا رین فاریسٹ واقع تھا جس کے اندر برستی بارش اب تھم چکی تھی اور کیچڑ زدہ زمین پہ وہ تینوں چل رہے تھے۔

تالیہ کی پیشانی خفگی سے سکڑی ہوئی تھی۔ تیز چلتے چلتے وہ فاتح کے برابر پہنچ گئی اور پھر دو قدم آگے نکل گئی۔ وان فاتح نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ ڈالی۔

''ضروری نہیں ہے شہزادی ویسی ہی ہو جیسی تمہارے خواب میں تمہیں بتائی گئی ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اسے ظلم کرتے نہیں دیکھا۔ صرف اس کے ظلم کے قصے سنے ہیں۔''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

''اس کے آدمیوں نے گاؤں میں فساد برپا کیا ہوا تھا۔ وہ میرے بابا کو پکڑ کے لے جانے والے تھے۔ اور اس وقت بابا نے مجھے

ایک حکم دیا تھا.... یقیناً چابی کے ذریعے دروازہ پار کرنے کا۔" اس کی آواز اونچے درختوں سے ٹکرا کے پلٹنے لگی۔ "شہزادی تاشہ کی وجہ سے میرا خاندان ٹوٹا اور گاؤں تباہ ہوا۔ اور یہ سب چار دن پہلے ہوا ہے۔ وقت یہاں رک گیا تھا۔ چار دن پہلے جب ہم دروازہ پار کر کے ادھر آئے تو اسی دن میرے بابا کو قید میں ڈالا گیا ہوگا۔ چار دن سے ہم اگر ان درختوں میں بھٹک رہے ہیں تو میرے بابا قید خانے میں اذیت کاٹ رہے ہوں گے۔ کیا یہ شہزادی تاشہ کے ظالم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟"

"سر ٹھیک کہہ رہے ہیں چے تالیہ۔" ایڈم چھڑی سے زمین کو ٹٹولتا قریب آیا۔ "کیا معلوم وہ سیاہی شہزادی کے نہ ہوں۔ تاریخ کی کتابوں کے مطابق بندہارا انتہائی مکار اور سازشی آدمی تھا۔ مگر اس کی بیٹی.... تاشہ.... وہ بہت اچھی شہزادی تھی۔"

تالیہ لب بھینچ کے ایڈم کو دیکھنے لگی جو اس کے کھا جانے والے تاثرات سے بے نیاز بولے جا رہا تھا۔ البتہ فاتح بس غور سے اس کی پیشانی کی سلوٹیں دیکھ رہا تھا۔ چار دن سے بددل نظر آتی تالیہ کے اندر اب چنگاریاں سی بھر چکی تھیں۔

"ٹھیک ہے.... پرتگالیوں نے تاریخ کی کتابیں جلا دیں اس لئے ہمیں سلطان مرسل شاہ یا شہزادی تاشہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے مگر جتنا ذکر موجود ہے' اس کے مطابق وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔ اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔" وہ قدیم کتابوں کے الفاظ یاد کر کے دہراتے ہوئے اردگرد درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ جب وہ دربار میں آتی تو وزراء' درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔ وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔ تیر اندازی' تلوار زنی' گھڑ سواری' نیزہ بازی.... وہ سب جانتی تھی۔ وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔ رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔ چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو شہزادی تاشہ پکا نہ سکے۔ کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔ وہ حرم کی نگران تھی۔ بندہارا کی سب سے قابل اعتماد مشیر۔ وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔ غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟ اسی لئے اس کو تاشہ پسونا کہا جاتا تھا۔"

"تاشہ پسونا؟" تالیہ نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ابرو اٹھایا۔ اس اَن دیکھی عورت کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"پسونا یعنی enchantress۔ ساحرہ.... جادوگرنی۔"

"اور یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں' ایڈم!" وہ پھنکاری۔

"کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں چے تالیہ۔ کیوں؟ آپ نہیں پڑھتیں؟" کچھ زیادہ ہی سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی رنگت اب ضبط سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔ دانت کچکچا رکھے تھے۔

"تمہاری تاریخ کی کتابیں جھوٹی ہو سکتی ہیں مگر میرے خواب نہیں۔ وہ ایک ظالم شہزادی ہے اور بس!"

"اتنی ساری کتابیں ایک ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔" بالآخر فاتح سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو وہ تڑپ کے اس کی

طرف گھومی۔ ایڈم کہہ رہا تھا تو صرف برا لگا تھا' مگر اس کا انداز تو مانو تالیہ بنت مراد کے اندر آگ لگا گیا۔

''میرے خواب جھوٹ نہیں بولتے' توانکو۔ میری زندگی کی تباہی کی ذمہ دار آپ کی تاشہ پسو نا ہی ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا۔'' وہ بے نیازی سے نفی میں سر ہلاتا آگے جا رہا تھا جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ تالیہ اور اس کے خواب غلط ہو سکتے تھے' مگر اس کے ذہن میں بنا تاشہ پسونا کا امیج نہیں۔

''وان فاتح کو شہزادی تاشہ کی طرفداری کا شوق کیوں ہے' ہاں؟'' اسے دور جاتے دیکھ کے وہ بے بسی سے بولی۔

''کیونکہ وان فاتح اس کے فین ہیں۔ وہی فین جو آپ فاتح صاحب کی ہیں۔ فین۔'' زور دے کر بولا۔

''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''فاتح صاحب کو احتیاط سے کسی عورت کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ آخر وہ شادی شدہ ہیں۔''

'کیوں؟ آپ کو جلن ہو رہی ہے کیا؟'' وہ بیگ کندھے پہ ڈالتا ابرو اچکا کے بولا اور پھر بے نیازی سے آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ لپک کے ایک پتھر اٹھایا اور ایڈم کی کتابوں سے بھری کھوپڑی کا نشانہ باندھا۔ مگر پھر ضبط کر گئی۔

(میں اور جیلس؟ ہونہہ۔ لیکن اس کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔) پتھر پرے پھینک دیا اور ڈنڈے کو زمین پہ رکھتی قدم اٹھانے لگی۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں اور اندر غصہ ہی غصہ ابل رہا تھا۔

شہزادی تاشہ کے گناہوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔

جنگل مزید گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل گدلی' گیلی زمین پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ بار بار پیر پھسلتا اور خود کو سنبھالنا پڑتا۔ ایڈم وقفے وقفے سے گردن کے پیچھے ہاتھ رکھتا' پھر سر جھٹکتا۔ شاید اسے کہیں تکلیف تھی۔ (ہونہہ۔ اور پڑھے کتابیں۔)

''کیٹ برگلر!'' ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے فاتح اسے پکارتے ہوئے رکا۔ وہ سفید گدلی شرٹ کے آستین چڑھائے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ جمے تھے اور مٹی والا چہرہ اوپر اٹھائے اونچائی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا' وہ برسوں سے اس جنگل میں بھٹک رہا ہو۔

''جی توانکو!'' وہ ڈنڈا نیچے پھینکتی سامنے آئی۔ گالوں پہ مٹی جمی تھی' الجھی چوٹی کندھے پہ گری تھی' اور آنکھوں میں ناراضی تھی۔

''اس درخت پہ چڑھو۔ اوپر آخری شاخ تک اور وہاں سے دیکھ کے بتاؤ کہ....اس جنگل کے پار کیا ہے۔'' وہ اوپر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے حکم دے رہا تھا۔

تالیہ نے ہتھیلی سے گال پہ لگی مٹی صاف کی' آستین مزید پیچھے کو چڑھائیں اور تیز قدموں سے درخت کی جانب بڑھی۔ وہ چار دن کی تھکی اور پست حوصلہ تالیہ نہیں تھی۔ شہزادی تاشہ پہ آتا غصہ توانائی دے رہا تھا۔

درخت کانٹوں سے بھرا تھا۔ سب کچھ اتنا نوکیلا تھا کہ احتیاط سے چڑھنا پڑتا مگر اس کے لئے یہ آسان تھا۔ ہاتھوں پہ اس نے

پھٹے کوٹ کا کپڑا لپیٹ لیا اور اوپر چڑھتی گئی۔ بالکل کسی بلی کی طرح۔

وان فاتح اور ایڈم گردنیں اٹھائے' ہاتھوں سے آنکھوں پہ سایہ کیے اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونچے درخت پہ غائب ہوگئی۔ پھر چند منٹ بعد وہ نیچے اترتی دکھائی دی۔

''تو....کیا دیکھا تم نے؟ کیا ہے جنگل کے چاروں طرف؟''

''اوہ گاڈ تو انکو۔'' وہ درخت سے اترتے ہی آنکھوں میں حیرت اور خوشی سموئے بولی۔ ''ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہم تو 2016ء میں ہی ہیں۔ جنگل کے باہر کوالالمپور ہے۔ دو میل کے فاصلے پہ مجھے سینٹرل پارک نظر آرہا ہے۔''

ایڈم کا منہ بے یقینی سے کھلا۔ خوشی سے لب وا ہوئے۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ فاتح کو دیکھا جو بالکل سنجیدہ تھا۔ ایڈم کی مسکراہٹ سمٹی۔ شک سے تالیہ کو دیکھا۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں؟''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ کیوں؟ تم چہرے نہیں پڑھ سکتے کیا؟'' ناک سکوڑ کے جتا کے بولی اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیا (ہونہہ)۔ ایڈم پہ گویا اوس پڑ گئی۔

''قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پہ شمال کی طرف یہ رین فاریسٹ ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ اب سنجیدگی سے فاتح کو بتا رہی تھی۔ ''اس کے آگے درختوں کا سلسلہ ہے مگر وہ کسی جنگل کے درخت لگتے ہیں۔ وہاں روشنی ہوگی' غذا ہوگی' جانور ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی آبادی دکھائی نہیں دی۔ بس درخت ہی درخت ہیں۔''

''یعنی ہمیں کل صبح ہوتے ہی شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ ایک دفعہ ہم جنگل پہنچ جائیں' آگے کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔'' وہ پر امید لگ رہا تھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت ذرا فاصلے پہ ہوتے ہیں اس لیے آسمان دکھائی دیتا ہے اور سورج کی روشنی زمین تک پہنچ سکتی ہے یوں زمین پہ پودے اور جھاڑیاں خوشی خوشی نشوونما پاتے ہیں۔ مگر رین فاریسٹ کے درخت اتنے گنجلک ہوتے ہیں' اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن جاتی ہے۔ سبز چھت۔ یوں سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی اس لیے زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بہت کم اگتی ہیں اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشوونما پاتے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان کچھ حصے پہ ایک گھنا سا رین فاریسٹ اُگ آتا ہے۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی رین فاریسٹ تھا جو یقیناً کسی بڑے جنگل کے درمیان میں تھا۔)

☆......☆......☆

مغرب اترنے میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا۔ایڈم خفا نظر آ رہا تھا مگر اس سے زیادہ تھکا ہوا۔ وہ وہیں ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور پیشانی چھو کے دیکھنے لگا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' سامنے کھڑے فاتح نے تشویش سے پوچھا۔

''توانائی ختم ہو رہی ہے میری۔شاید بخار ہو رہا ہے۔'' وہ نڈھال لگ رہا تھا۔

''کیوں؟ تم نے اپنی کتابوں میں بخار کا علاج جڑی بوٹیوں سے کرنا نہیں سیکھا؟'' وہ پلکیں جھپک جھپک کے بولی تو فاتح نے ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔

''اس کی طبیعت خراب ہے' تالیہ۔''

''اوہ۔افسوس ہوا۔مگر فکر نہ کرو۔ہم شہزادی تاشہ کے پاس پہنچ جائیں تو وہ ایڈم کا علاج کر دے گی۔ بہت ہمدرد اور نیک دل شہزادی ہے نا وہ۔''

''جی ہاں۔اور بہت خوبصورت بھی۔'' وہ نقاہت سے چہرہ اٹھا کے بولا۔

''چھ سو سال پرانی شہزادی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خوبصورت بھی تھی؟''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ!'' نقاہت سے آنکھیں بند کرتے' تنے سے ٹیک لگاتے وہ تصحیح کرنا نہیں بھولا تھا۔وہ ہونہہ کر کے رہ گئی۔

(تاشہ....تاشہ....اسے اس نام سے چڑ ہونے لگی تھی۔)

اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتا آسمان تیزی سے اندھیر ہونے لگا۔یہاں سورج ڈھلنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔آدھے گھنٹے کے اندر اندر گھپ اندھیرا ہو جاتا تھا۔

فاتح اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر آگے درختوں کی طرف بڑھ گیا تو وہ ایک تنے کے ساتھ بیٹھی اور تھیلے سے کوکو پھل نکال لیا۔یہ کٹا ہوا تھا۔وہ انگلی سے گودا پوروں پہ نکال نکال کے منہ میں ڈالنے لگی۔ جیسے جار میں سے مایونیز کھا رہی ہو۔ایک سرسری نظر ایڈم پہ ڈالی جو نقاہت سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

''تم تو نہیں کھاؤ گے نا؟''

ایڈم نے آنکھیں کھول کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''بہت شکریہ چے تالیہ۔میں نہیں کھاؤں گا۔''

وہ مسکرائی' شانے اچکائے اور انگلی لبوں میں ڈالے سفید گودا کھائے گئی۔ایڈم نے بے بسی بھری ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''آپ شاید ٹارگٹ اور بیلنڈ زندگی گزارنے کی عادی ہیں۔اگلے مارک کے بارے میں سوچتے رہنے کی۔تب ہی جیسے ہی آپ

کو معلوم ہوا کہ شہزادی تاشہ آپ کی دشمن ہے.... آپ کے اندر توانائی سی بھر گئی ہے....''

وہ جو انگلی سے گودا چوس رہی تھی۔ رکی' اور آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''اگر کوئی تمہارے بابا کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دے صرف اس لئے کہ وہ اپنے گاؤں کے غریبوں کے لئے لڑ رہے تھے' تو کیا تم بدلہ نہیں لینا چاہو گے؟''

''اور آپ بدلہ کیسے لیں گی شہزادی تاشہ سے؟''

''پہلے اپنے بابا کو اس کی قید سے چپکے سے نکال لاؤں گی اور پھر....'' وہ کچھ سوچ کے مسکرائی۔ نچلا لب دانتوں سے دبا لیا۔

''شہزادیوں کے پاس بہت زیور ہوتا ہے۔ سونے' چاندی' ہیرے' زمرد' یاقوت۔'' اس کے جیسے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ ''شہزادی تاشہ سے اس سے اچھا بدلہ کیا ہو گا کہ اس کا سارا زیور اس سے چھین کے اس کو قلاش کر دیا جائے؟''

''یا اللہ۔ چے تالیہ۔'' ایڈم نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ ''آپ نے کہا تھا آپ چوری چھوڑ دیں گی۔ مگر آپ ابھی بھی شہزادی کے ہیرے جواہرات کا لالچ رکھے ہوئے ہیں۔''

''لالچ میرے ڈی این اے میں شامل ہے۔'' اور گودے سے بھری انگلی لبوں میں رکھ لی۔ ایڈم صدمے سے اسے دیکھے گیا۔

''کیا واقعی آپ تاشہ کے محل میں چوری کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' اس نے شانے اچکائے' آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ (خواب میں دیکھا شہزادی کا زیوروں سے بھرا ہاتھ یاد آیا۔ اگر وہ یہ زیور چرا کے واپس اپنے زمانے میں لے جائے تو اس کی قیمت....اُف!) اسے مزا آنے لگا۔

وہ فیز فور میں پہنچ چکی تھی۔

''وان فاتح کہاں رہ گئے۔'' یکدم ایڈم نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ تمہارے لئے آگ کا بندوبست کرنے گئے ہیں۔''

''مگر میں کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ سارے فاریسٹ کی لکڑی گیلی ہے۔ نم لکڑی سے آگ نہیں جلے گی۔''

''ان کو کیا معلوم؟ وہ کتابیں تھوڑی پڑھتے ہیں۔''

ایڈم نے اس دفعہ جواب تک نہیں دیا۔ بس آنکھیں موند لیں۔

فاتح واپس آیا تو ایک ہاتھ میں لکڑیاں اٹھائے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور تنفس پھولا ہوا تھا۔

نیچے بیٹھ کے اس نے لکڑیاں سامنے رکھ دیں۔ پھر چند پتلی سوکھی ٹہنیوں کو گھونسلے کی صورت رکھا اور ایک بڑی گیلی لکڑی اٹھائی گویا درخت کے تنے کی چھال ہو جو لمبائی میں اکھاڑ لایا تھا۔

''سر.... یہ گیلی ہیں۔ان سے آگ کیسے جلے گی؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔خنجر سے لمبی لکڑی کے سرے کو کاٹا اور اسے مٹر کے چھلکے کی طرح کاٹ کے دو حصوں میں کھولتا گیا۔اندر ایک پتلی لمبی لکڑی پڑی تھی۔

''یہ ڈیڈ وڈ ہے۔مردہ خشک لکڑی۔اس سے ہم آگ جلائیں گے۔''بغیر جتائے کہتے ہوئے اس نے مردہ لکڑی سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ رکھی۔ایڈم کی رنگت خفت سے گلابی ہوئی۔فوراً تالیہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیوں؟تم نیشنل جیوگرافک نہیں دیکھتے کیا؟''آنکھیں جھپکا کے سادگی سے پوچھا۔اس کا جسم پہلے درد سے ٹوٹ رہا تھا' اوپر سے یہ تالیہ کی باتیں۔وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ رخ ہی موڑ گیا۔

جنگل کے اس حصے میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔واحد آواز پرندوں کی تھی یا اس خنجر کی جسے فاتح ایک گیلی موٹی لکڑی پہ رگڑ رہا تھا۔لکڑی کا بورا سا ٹہنیوں کے ڈھیر پہ گرنے لگا۔(یہی سفوف آگ کو بھڑکانے کے کام آتا تھا۔)

جس طرح وہ زمین پہ بیٹھا' گردن جھکائے لکڑی چھیل رہا تھا' اس کو دیکھ کے تالیہ کے دل میں افسوس جاگنے لگا۔

''آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا....تو انکو....کہ آپ چھ سو سال پیچھے چلے جائیں گے۔''

(''پانچ سو ستاون سال۔''ایڈم رخ پھیرے بغیر خفگی سے بڑبڑایا۔)

''میں حال کے بارے میں سوچتا ہوں' تالیہ۔''

''کبھی آپ مجھے تاشہ کہتے تھے۔''وہ مزید اداس ہوئی۔

''تب مجھے تم پہ بھروسہ نہیں تھا۔''

''اور اب؟''

''اب ہے۔''وہ سر جھکائے چاقو لکڑی پہ رگڑے جا رہا تھا۔بار بار گیلے بال انگلیوں سے پیچھے کرتا' لیکن وہ پھر سے ماتھے پہ آن گرتے۔

''آپ کا چیئرمین کا الیکشن سر پہ تھا۔چار دن سے آپ غائب ہیں۔سارا ملک آپ کو ڈھونڈ رہا ہوگا....اور اشعراب چیئرمین بن جائے گا۔''اندھیرے کے ساتھ اس پہ پھر سے قنوطیت طاری ہونے لگی۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو میں راستہ نکال لوں گا۔وان فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''ایک منٹ۔''ایڈم نے رخ موڑا۔چہرے پہ حیرت تھی جو اندھیرے کے باوجود عیاں تھی۔''وقت کا اصول ہے کہ اگر ہم اس میں سفر کریں تو ہماری واپسی تک وہ رک جاتا ہے۔یعنی ہم اس کے آگے بڑھنے سے پہلے واپس آ سکتے ہیں۔ہوسکتا ہے' ہمارے پیچھے سن باؤ کے گھر میں وقت وہیں ٹھہر گیا ہو۔ہم کئی دن بعد بھی واپس جائیں تو وقت وہیں سے شروع ہو۔''

''اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے' ایڈم۔ ہمیں ابھی یہ بھی یقین نہیں ہے کہ ہم کس دور میں واپس آئے ہیں!''

''مجھے یقین ہے یہ وہی دور ہے' تو انکو۔'' وہ تیزی سے بولی۔'' چار دن پہلے جب ہم اس جنگل میں آئے اس سے چند لمحے قبل ہی گیارہ سالہ تالیہ نے دروازہ پار کیا تھا۔ وقت ٹھہر گیا تھا۔''

''مگر آپ گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ نہیں لوٹیں۔'' ایڈم بول کے پچھتایا۔ وہ تندہی سے اس کی طرف گھومی۔

''چابی سے وقت آگے اور پیچھے ہوتا ہے' ایڈم۔ ایک پلا پلایا انسان چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ سائنس نہیں پڑھی کیا تم نے؟''

''یا اللہ! ایسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا!'' وہ چڑ گیا۔

''مستقبل کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑو' حال کی فکر کرو۔'' وہ اب ٹہنیوں کو جوڑ رہا تھا۔ پھر اس نے چاقو اور ایک لوہے کا آلہ (لاک پک) جو تالیہ کے بیگ میں تھا نکالا اور ان کو اوپر تلے رکھ کے رگڑا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ چنگاریاں نکلتیں مگر آگ نہ جلتی۔ تالیہ آگے کو جھکی اور پھونکیں مارنے لگی۔ فاتح بار بار دونوں دھاتوں کو رگڑتا۔ یکایک شعلہ سا جلا اور لکڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ تالیہ ابھی تک پھونکیں مار رہی تھی۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم فیز تھری میں آچکی ہو۔'' آگ نے سارے کو روشن کر دیا تھا۔

''میں فیز تھری سے آگے نکل چکی ہوں۔ معلوم نہیں آپ لوگ میرا ساتھ دے بھی سکیں گے یا نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈنڈا اٹھالیا۔ فاتح نے اسے نہیں روکا۔ وہ آگے چلتی جارہی تھی۔ شاید یونہی جنگل میں ٹہلنے۔

''آپ کہاں جارہی ہیں' چے تالیہ؟'' ایڈم فکرمندی سے پکار اٹھا۔''اس وقت جنگل خطرناک ہوتا ہے۔''

''یہ جنگل نہیں' رین فاریسٹ ہے۔ کیوں؟ ڈکشنری نہیں پڑھتے کیا؟'' وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو پہلا کام چے تالیہ کو پولیس کے حوالے کرنے کا کریں گے۔''

وہ جو ایڈم کے تھیلے سے پتے نکال نکال کے ان کا معائنہ کر رہا تھا' دھیرے سے ہنس پڑا۔

''وہ چوری چھوڑ چکی ہے' ایڈم۔''

ایڈم نے تڑپ کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔''آپ کی اطلاع کے لیے وہ شہزادی تاشہ سے بدلے کے طور پہ اس کا زیور چرانا چاہتی ہیں۔ وہ اب بھی چوری کا ہی سوچ رہی ہیں' سر۔''

''ہم اس وقت ایک کرائسس میں ہیں' ایڈم۔'' آگ کے دوسری جانب وہ اکڑوں بیٹھا گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔'' زندگی کے کچھ کرائسس جنگل کی مانند ہوتے ہیں اور جنگل میں صرف ایک سمت میں چلا جاتا ہے۔ ورنہ بھول بھلیاں مار ڈالتی ہیں....''

تالیہ ان سے دور، ڈنڈا زمین پہ مارتی چلتی جا رہی تھی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہ اداس لگتی تھی۔

''ہر انسان کرائسس میں مختلف طریقے سے ردِعمل دیتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے برے وقت کو کاٹنے کے لئے اسے لالچ کا سہارا لینا پڑتا ہے....''

وہ ایک درخت تلے جا ٹھہری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگی....

''انسان کو ایک فینٹسی چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ ایسا جس کی تکمیل اس کو متحرک رکھے....دنیا والوں کے نزدیک وہ فینٹسی....وہ ناممکن خواب بری چیز ہوسکتا ہے لیکن جو انسان اس جنگل میں گھرا ہوتا ہے' اس کے لئے واحد روشنی وہی فینٹسی ہوتی ہے۔''

اب وہ درخت کے تنے سے سر ٹکائے کھڑی اوپر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں اداس تھیں۔ ہاتھ دل پہ رکھا تھا۔

''تو اگر کبھی انسان صرف چلتے رہنے کی غرض سے.... کسی اچھوتی چیز کی خواہش دل میں زندہ رکھے....کوئی خواب' کوئی فینٹسی ....جس کا انتظار...جس کے ملنے کی تمنا اسے امید دلائے' اور اس کے قدم مثبت سمت اٹھتے رہیں....تو اِٹس او کے۔ کبھی کبھی خود کو تھوڑی رعایت دے دینی چاہیے۔''

تالیہ نے آنکھیں موند لیں اور دھیمے سروں میں کوئی گیت سا گنگنانے لگی۔

''اور کرائسس سے نکل آنے کے بعد وہ عجیب خواہشیں خود ہی غائب ہو جاتی ہیں....اس لیے عجیب خواہشوں اور خوابوں پہ کبھی نادم نہیں ہونا چاہیے۔ ہم انسان ہیں اور یہ ہماری ضرورت ہیں۔ اس لیے....خود کو رعایت دے دیا کرو....''

اب وہ آنکھیں کھولے اوپر درختوں کے سروں کو دیکھتی گنگنا رہی تھی۔ ہاتھ ابھی تک دل پہ تھا۔

''رہی تالیہ....تو اگر اسے لگتا ہے کہ بہت سے زیور اسے خوشی دے سکتے ہیں' تو اسے اس خیال میں جینے دو۔ اگر یہ خیال اسے جنگل سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اِٹس او کے۔''

''مگر وہ مجھے اتنی باتیں سنا رہی ہیں۔'' الاؤ کے پار نیم دراز ایڈم خفا ہوا۔

''وہ صرف تمہیں تنگ کر رہی ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیا اس کے پاس کرنے کو کچھ اور ہے؟'' الاؤ کے پار بیٹھے فاتح نے ابرو اٹھا کے پوچھا تو وہ چپ ہو گیا۔ ڈنڈے کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ اب واپس آرہی تھی۔ ایڈم خاموش ہو گیا۔ سارا جنگل خاموش ہو گیا۔

اب ایک اور رات بہت سے شور اور بہت سی خاموشی میں کٹنی تھی۔

☆......☆......☆

صبح ہوئی تو سورج یوں نکلا گویا کبھی ڈوبا ہی نہیں تھا۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ اور ایڈم کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ وہ کبھی پیٹ پہ ہاتھ رکھتا، کبھی گردن پہ۔ مگر چلتے رہنا بھی مجبوری تھی۔

وہ تینوں آگے پیچھے گدلی زمین پہ چلتے جا رہے تھے۔ ایڈم بار بار پیچھے رہ جاتا تو فاتح کو رکنا پڑتا۔

''کیا تم کوئی دوا، کوئی بوٹی جانتے ہو جو تمہاری تکلیف رفع کر سکے؟'' فاتح اس کے لیے فکر مند تھا۔

''میں خود نہیں جانتا سر مجھے ہو کیا رہا ہے۔''

''نہیں جانتے تو جلدی چلو پھر.... ہمیں دن کی روشنی میں اس رین فاریسٹ سے نکلنا ہے۔'' وہ ڈپٹ کے کہتی آگے بڑھ گئی تو ایڈم نے جہاں دکھ سے اسے دیکھا، وہیں فاتح کا دماغ کھول اٹھا۔

''وہ بیمار ہے، تالیہ!'' آواز میں غصہ اور گرج تھی۔ وہ رکی، اور گردن موڑ کے بے نیازی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''ایڈم بیمار نہیں ہے۔ اب جلدی چلیں۔'' اور سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح ضبط کر گیا، پھر ایڈم کے کندھے کو تھپکا۔ ''ہمت کرو۔''

ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم اٹھانے لگا۔

قریباً ڈھائی گھنٹے گزرے تھے جب چلتے چلتے ایک دم ڈھیر ساری روشنی نظر آئی۔ سب سے آگے چلتی تالیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ تیزی سے اس طرف دوڑی۔

درخت ختم ہو گئے تھے۔ باہر گھاس تھی۔ سبز چھت کی حدود بھی ختم ہو گئی۔

جیسے کوئی طلسم سا ٹوٹا تھا۔ قید ختم ہوئی تھی۔

اس نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔

اوپر کھلا آسمان تھا۔ صاف سنہری آسمان جہاں سورج چمک رہا تھا.... وہ دونوں بازو پھیلائے بے یقینی سے ایڑیوں پہ گھومی۔ گول۔ گول۔

یہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا۔ جنگل کی زمین گھاس اور جھاڑیوں سے ڈھکی تھی۔ فاصلے فاصلے پہ موٹے تنے کے درخت اُگے تھے۔ یہ مختلف قسم کے درخت تھے۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تھا کہ آسمان نظر آتا۔ زمین اور درخت یہاں بھی گیلے گیلے سے تھے مگر مٹی گھاس کے باعث پھسلن زدہ نہیں تھی۔ کہیں جنگلی پھول اُگے تھے۔ دور بہتے پانی کی آواز۔ جانوروں کی مختلف بولیاں۔ زندگی سے بھرپور وہ ''جنگل'' تھا۔ ایک خوبصورت جنگل۔

وہ خوشی سے مڑی تو وہ دونوں بھی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ فاتح بیگ کندھے پہ ڈالے آگے تھا اور نڈھال سا ایڈم پیچھے۔ (بیگ وہ تینوں باری باری اٹھاتے تھے۔ ابھی ایڈم کی باری تھی اور تالیہ نے ایڈم کو بیگ پکڑا بھی دیا تھا مگر فاتح نے وہ اس سے لے لیا تھا۔)

''چلیں....ہم نے اس طرف جانا ہے۔میں نے اوپر سے دیکھا تھا۔اس طرف آگے جنگل کم گھنا ہو جائے گا۔'' وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی تو فاتح کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''تالیہ ہمیں ٹھہرنا ہو گا۔ایڈم مزید نہیں چل سکتا۔''

''کیوں؟'' وہ ایڈم کی طرف گھومی اور کمر پہ ہاتھ رکھے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''کیونکہ اگر اس کی جگہ تم بیمار ہوتیں تو بھی میں یہی کرتا۔''

''غلط کرتے۔اور وہ کوئی بیمار نہیں ہے۔اب چلیں۔'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''میں چل سکتا ہوں' سر! اِٹس اوکے۔'' وہ اداسی سے کہتے ہوئے قدم اٹھانے لگا۔اس کے انداز سے لگتا تھا اسے رونا آ رہا ہو مگر ضبط کر رہا ہو۔وہ ان تینوں میں سب سے چھوٹا تھا۔کم عمر اور سادہ۔اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔جب وہ بیمار ہوتا تو وہ کس طرح....سر جھٹک کے اس نے یادوں کو ذہن سے جھٹکا' اور بہت سے آنسو پی کر چلنے لگا۔اسے تالیہ سے کسی قسم کی رعایت کی امید نہ تھی۔

ان کے راستے میں بہت سے درخت آئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی پھلدار نہ تھا۔ان جان چیزیں اُ گی تھیں۔

کافی آگے ایک جگہ چشمہ بہہ رہا تھا۔صاف' ٹھنڈے پانی کا۔قریب ہی درخت اُگے تھے۔فاتح نے ایڈم کو ادھر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور خود چشمے کی طرف آیا۔جھک کے پانی سے ہاتھوں کے کٹورے بھرے اور اسے منہ پہ ڈالا۔

''تالیہ....ہم یہاں ٹھہر رہے ہیں۔میں آگ جلاتا ہوں' تاکہ ایڈم کو حرارت ملے۔اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔تم اس کے لئے کوئی دوا ڈھونڈو۔''

''کیوں؟ وہ بیمار تھوڑی ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتی اٹھی' اپنا خنجر نکالا اور ایک طرف چل دی۔فاتح نے برہمی سے مڑ کے اسے دیکھا۔وہ دور جا رہی تھی۔وہ سر جھٹک کے اپنے اوپر پانی ڈالنے لگا۔جنگل میں شدید خارش اور الرجی سے بچنے کے لیے بار بار خود کو پانی سے دھونا بہت ضروری تھا مگر یہ پانی بھی تالیہ پہ آیا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد نقاہت سے آنکھیں موندے ایک درخت سے لگا بیٹھا تھا۔فاصلے پہ فاتح ایک دوسرے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے چند جنگلی پھول اپنے ہاتھ پہ رگڑ رہا تھا۔کبھی کسی کو سونگھتا' کسی کو پھینک دیتا۔فکرمندی سے بار بار ایڈم کو دیکھتا جس کی گردن اب ڈھلکی ہوئی تھی۔دونوں کے درمیان الاؤ جل رہا تھا۔

یکا یک بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔اس نے بوٹیوں کا تھیلا پرے ڈال دیا اور خود بے بسی سے ٹیک لگا لی۔بارش نے چند لمحوں میں ہی الاؤ بجھا ڈالا۔تب ہی قریب آتے قدموں کی آواز سنائی دی۔اس نے گردن نہیں موڑی۔جانتا تھا کہ وہ تالیہ ہی ہے۔بس

سامنے دیکھتا رہا۔

پیچھے کہیں سے تالیہ کے آنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کچھ گھسیٹ کے لا رہی تھی۔ کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ تالیہ ہرن کے ایک بچے کو گھسیٹ کے لا رہی تھی۔

وہ زندہ تھا شاید۔ تڑپ رہا تھا۔ گردن میں خنجر گھونپا ہوا تھا' خون بہے جا رہا تھا مگر وہ اسے قابو کیے ہوئے تھی۔ بدقت کھینچتی وہ اسے فاتح کے سامنے لائی' اور اس کی گردن پہ اپنا کیچڑ آلود پیر رکھ کے بیٹھی اور چاقو اس کی گردن سے نکالا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی اور الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے.... چہرے پہ زخم کے نشان بھی تھے اور چبھتی ہوئی نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔

ہرن اس کی گرفت میں کسمسا رہا تھا' پھڑ پھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پہ جما رکھا تھا۔

"آپ نے مجھ سے پوچھا تھا.... یاد ہے...." وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے مصنوعی سا غرائی۔ "کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہیں کیا آتا ہے؟" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔ چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا رکھا تھا۔

"مجھے.... یہ آتا ہے۔" اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ معصوم جانور چلایا... تڑپا.... خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آ گرے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔ بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا.... خون بہہ رہا تھا.... اس کے کپڑے.... زمین.... سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی.... اور وہ زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے مہارت سے ننھے غزال کی گردن کو ذبح کر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور وہ بے جان ہو گیا۔

"اس طرف بہت سے ہرن ہیں۔ مگر ایک وقت میں ایک ہی کافی ہے ہم پہ۔ کیوں' تو انکو؟ کیسا لگا میرا نشانہ؟" وہ جتاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "ویسے بھی حالم کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا' جیسے حالم کے خواب کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔" پھر خنجر چلاتا ہاتھ روکا۔ "یہی منظر میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یعنی میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو حقیقت کا عکس تھے اور میں ان میں علامتیں تلاش کرتی رہی۔"

فاتح اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اور جو میں نے تمہیں لینے بھیجا تھا؟ ایڈم کی دوا؟"

"مگر ایڈم بیمار نہیں ہے۔" وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وان فاتح کے تو سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ وہ کچھ سخت کہنے ہی لگا تھا کہ.....

"جب میں ملائیشیاء آئی تھی تو میرا وزن اس سے پچیس کلو زیادہ تھا۔ میں نے کئی ماہ لگا کے وزن گھٹایا۔ اور تب سے وزن کے ساتھ جنگ لڑ رہی ہوں اور اس دوران میں نے فاقے بھی کیے۔ اور ڈپریشن میں اوور ایٹنگ بھی کی۔ غرض میں ہر طرح کی 'بھوک' سے لڑتی رہی

ہوں۔" وہ خون آلود ہاتھوں سے گوشت کے ٹکڑے ہرن کے اندر سے نکال رہی تھی۔ اتنی مہارت اور صفائی سے کہ وہ رک کے دیکھنے لگا۔ (وہ واقعی کسی شکاری کی اولاد تھی۔) پیچھے لیٹا ایڈم بھی سن رہا تھا گو کہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"مجھے قدرتی جڑی بوٹیوں کا تو علم نہیں مگر میں کئی سال سے ایک ایسی عورت کے ساتھ رہی ہوں جس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی 'بھوک' ہے۔ ان سات سالوں میں اس کو پچاس قسم کے مختلف پیٹ درد ہو چکے ہیں جن کے لئے میں اس کے ساتھ ڈاکٹرز پہ گئی ہوں اور ہر دفعہ وجہ ایک ہی نکلتی ہے۔ بھوک۔ خوراک۔ اس لئے وان فاتح....جب تالیہ کہہ رہی ہو کہ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو ایڈم بیمار نہیں ہے۔ ایڈم ....صرف....بھوکا ہے!"

گوشت کی چند بوٹیاں اس نے ایک پتے پہ رکھیں اور اٹھ کے بجھے الاؤ کے قریب آئی۔

"آپ سلیبرٹی ہیں' فٹ رہتے ہیں' مجبوری ہے کہ رہنا پڑتا ہے' آپ کی بھوک آپ کے تابع ہے۔" وہ لکڑیوں پہ بوٹیاں سیخوں کی طرح پرونے لگی۔ "میں کیٹ برگلر (چور) ہوں' مجھے روشن دانوں اور وینٹ کی سرنگوں میں گھسنا ہوتا ہے' دبلا رہنا میری مجبوری ہے۔ مگر ایڈم کی بھوک اس کے تابع نہیں ہے۔ وہ نارمل انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور وہ چار دن سے غیر فطری غذا کھا رہا ہے۔ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو انکو۔ ایڈم صرف بھوکا ہے۔ اور جب وہ یہ بھنا ہوا گوشت کھائے گا' تو اس کی توانائی واپس آجائے گی۔ لیکن یہ بات پتہ نہیں کیوں ایڈم کو خود نہیں سمجھ آئی۔ کیوں ایڈم....؟" وہ معصومیت سے اس کی طرف گھومی۔ "تم نے کبھی متوازن غذا کے اوپر لکھی کوئی کتاب نہیں پڑھی؟"

فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔ ایڈم اپنی جگہ گنگ ہو گیا۔ پہلے تو اسے تالیہ کے اس "خیال رکھنے کے عمل" پہ یقین ہی نہ آیا۔ پھر جب محسوس ہوا کہ وہ اس کو دیکھ رہی ہے تو خفگی سے رخ موڑ گیا۔ دونوں ہاتھ ابھی تک پیٹ پہ تھے۔ درد بہت شدید تھی۔

بارش تھمنے کے بعد جب دوبارہ آگ جلائی گئی اور لکڑی کی سیخوں پہ دہکتی گوشت کی بوٹیوں کو آگ نے چھوا تو ان سے مختلف قسم کے رس نکلنے لگے۔ اشتہا انگیز خوشبو سے بوجھل دھوئیں کے مرغولے اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

باربی کیو کی زبردست مہک نے تینوں کی طبیعت پہ بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اتنے دن بعد....اتنی بھوک کاٹنے اور اذیتیں اٹھانے کے بعد....بھنے گوشت کی وہ مہک....ایک دم ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

اور پھر مہک سے بوجھل دھواں اوپر فضا میں گم ہونے لگا.....

مگر کیا وہ واقعی گم ہو رہا تھا؟ یا وہ مختلف سمتوں میں پھیلتا جا رہا تھا؟

جنگل سے لڑائی نہیں لڑی جاتی....کیونکہ جنگل زندہ ہوتا ہے۔ اور جنگل میں انسان کا پتہ اس کی آواز اور چاپ سے پہلے اس کی "خوشبو" دے دیتی ہے....

یہ خوشبوان کی جنگل میں پہلی سنگین غلطی تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ جنگل کے ان خوبصورت درختوں کے بیچ وہ تینوں الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔ ایڈم اپنے پتے پہ رکھا بھنے گوشت کا ٹکڑا شوق سے کھا رہا تھا۔ البتہ وہ خاموش تھا۔ فاتح کھاتے ہوئے کبھی اس کو دیکھتا اور کبھی تالیہ کو۔

تالیہ....جو خاموش ہو ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ ایڈم بن محمد کے پاس تھا تو ہمیں کیا ملتا تھا کھانے کو' توانکو؟'' وہ بوٹی توڑتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کے بول رہی تھی۔ گوشت سخت تھا مگر کھانے لائق تھا۔ ''مرے ہوئے منحوس گراس ہوپرز.... بدمزہ پپیتا....اور تو اور اس نے ہمیں termites بھی کھلائے....وہ کیڑے....اور ایک دفعہ تو کوئی چھپکلی بھی لے آیا کہ چے تالیہ' یہ زہریلی نہیں ہے' یہ آپ کھا سکتی ہیں۔''

ایڈم نے بس منتقم خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ فاتح کی طرف متوجہ تھی۔

''اور ....وہ کراہت آمیز جانور جس کا نام بھی مجھے یاد نہیں....وہ کھلایا اس نے ہمیں ....توانکو! اور وہ موٹا سا کیڑا....کریپ....اور....''

''اور کوکو کا پھل۔'' فاتح نے دھیرے سے یاد دلایا مگر تالیہ نظر انداز کر گئی۔

''اور وہ گندا سا پھول....آخ تھو....کیا کیا نہیں کھلایا اس نے ہمیں....مگر جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ تالیہ مراد کے ہاتھ میں آیا تو کیا کھانے کو ملا ہمیں؟''

اب وہ باری باری دونوں سے رائے مانگ رہی تھی۔ اگر بنا نمک کے باوجود اتنا لذیذ گوشت تالیہ نے نہ بھونا ہوتا تو ایڈم اسے ابھی پھینک دیتا مگر ضبط کر گیا۔ سر جھکائے کھاتا گیا۔ توانائی آنے لگی تھی۔ پیٹ درد عنقا ہو رہا تھا۔

''تالیہ مراد کی وجہ سے ہمیں یہ غزال ملا کھانے کو' توانکو۔ یہ لذیذ غزال۔ سوچیں اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کیا بنتا۔'' وہ لقمہ چباتے ہوئے مزے سے کہہ رہی تھی۔ پھر ہاتھ جھاڑ کے اٹھی۔

''میں جھرنے پہ ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔'' پھر اپنا بیگ اٹھا کے وان فاتح کے قریب سے نکل کے چلی گئی۔ ایڈم نے دانت کچکچا کے اسے جاتے دیکھا۔

''ایڈم....وہ تمہارا خیال رکھ رہی ہے۔'' وہ تحمل سے سمجھانے والے انداز میں بولا تو ایڈم نے تڑپ کے اسے دیکھا۔

''یہ خیال رکھنا ہے؟''

''یہ اس کی دوستی ہے۔''

"پھر نہ معلوم دشمنی کیسی ہوگی۔"

فاتح نے کوکو کے چھلکے کے کٹورے سے بھرا پانی پیا اور پھر درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

"اس کا ذہن عام انسانوں سے کہیں زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے' اس لئے مجھے یقین ہے' اس کی دشمنی بہت خطرناک ہوگی۔ شہزادی تاشہ کو خبردار رہنا چاہیے۔"

ایڈم نہیں ہنسا۔ بس پتا پرے رکھ دیا۔ "مجھے ایسی دوستی نہیں چاہیے جس میں ہر وقت اتنی باتیں سننی پڑیں۔"

"دوستی میں باتیں سننی پڑتی ہیں۔ دوستی میں ہی تو سننی پڑتی ہیں۔"

مگر ایڈم کے ماتھے کے بل صاف نہیں ہوئے۔ "صرف اس لئے کہ آپ کا دوست آپ کا خیال رکھ رہا ہے' آپ اس کی ہر بری بات برداشت کرتے جاؤ؟"

"اگر کوئی دوست آپ کے لئے toxic نہیں بن رہا' تو اس کو برداشت کرنا چاہیے۔"

"سر آپ کے نزدیک دوستی کیا ہے؟"

وہ دونوں کھلے جنگل کی گھاس پہ بیٹھے تھے۔ فاصلے فاصلے پہ درخت اُگے تھے۔ بارش کے بعد اب ہر سو ٹھنڈی چھایا پھیلی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے کہ دوستی کیا ہے؟ میں فلسفوں میں نہیں الجھتا۔ زیادہ فکر اس بات کی کرتا ہوں کہ دوستی بچائی کیسے جاتی ہے؟"

دونوں کے درمیان جلتا الاؤ اب ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ سرخ انگارے سلگتے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا دوستی کو بھی بچانے کی ضرورت ہوتی ہے؟"

اس سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"زندگی میں ہموار زمین کی طرح ہوتی کون سی چیز ہے' ایڈم؟ رشتے' کیریئر' شوق.... ہر چیز یا تو اوپر جاتی ہے' یا نیچے۔ اگر دوستی پہ محنت نہ کی جائے تو اس کا گراف نیچے چلا جاتا ہے۔"

"اور کیسے محنت کی جاتی ہے دوستی پہ؟"

"دیکھو.... کوئی آپ کو اسے زبردستی نبھانے پہ مجبور نہیں کرسکتا۔" وہ بولتے ہوئے تھوڑی کو ناخن سے رگڑ رہا تھا۔ نظریں دور اس سمت لگی تھیں جہاں تالیہ گئی تھی۔ "یہ خون کے تعلق سے بے نیاز ہوتی ہے۔ صرف دل سے کی جاتی ہے اور وہی لوگ اپنے دوست کے دل سے نہیں اترتے جن میں وہ دو چیزیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ بہت سا صبر اور خوش نصیبی۔ ان دو چیزوں کی مدد سے ایک دوست دوسرے کے دل میں آئی عداوت کو اچھی باتوں سے دور کرسکتا ہے۔ یہ صبر انسان کو خود پیدا کرنا ہوتا ہے اور بخت اسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔"

"بخت؟" اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ "کیا اچھا دوست نصیب سے ملتا ہے؟"

"بالکل! لیکن آج کل کے بچے تو اپنے دوستوں کی تنقید تک نہیں سہہ سکتے۔ ایسے نازک لوگوں کو بخت نہیں لگا کرتے' ایڈم۔ اس کے لیے برداشت سے دوستوں کی بری بھلی باتوں پہ منفی ردِعمل دینے سے خود کو روکنا ہوتا ہے۔ جو تحمل سے اپنے دوست کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے' اسے ہی اللہ بخت لگاتا ہے۔ اور یہ خوش بختی اس کو مزید اچھی دوستیاں عطا کرتی ہے۔"

"یعنی کسی عام دوست کو برداشت کرنے پہ اللہ یا تو اسی کو خاص بنا دے گا یا آپ کو کوئی اور خاص دوست عطا کرے گا؟"

"میں نے تو ایسے ہی ہوتے دیکھا ہے۔ لوگوں کی فطرت سمجھ کے ان کو ڈیل کرو گے تو دل زیادہ نہیں دکھے گا۔ مجھے دیکھو۔ ہزاروں کارکنوں سے سب کی عادات اور طبیعت کے مطابق ہر روز ڈیل کرتا ہوں اور....." وہ ٹھہرا۔ "کرتا تھا۔"

الفاظ تھے کہ کیا' سارے جنگل میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔ کرب ناک سا سکوت۔ دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔

ان سے دور.... ایک طرف تالیہ چلتی جا رہی تھی۔ پھر ایک جگہ درختوں کی اوٹ میں وہ ٹھہری اور احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ صد شکر کہ فاتح یا ایڈم میں سے کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ گڈ۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بٹوہ نکالا۔ وان فاتح کا بٹوہ جو ابھی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے تالیہ نے اچک لیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی صفائی کمال تھی۔

"میں بھی تو دیکھوں' ہر رات سونے سے پہلے اپنے بٹوے سے کیا نکال کے دیکھتے ہیں فاتح صاحب۔" نچلا لب شرارت سے دبائے اس نے بٹوے کو کھولا۔ اندر رقم تھی جو کافی نم تھی۔ کریڈٹ کارڈ۔ آئی ڈی کارڈ۔ آریانہ کی تصویر۔ اور تصویر کے پیچھے کچھ پھولا ہوا۔

اس نے دو انگلیاں خانے میں گھسا کے وہ شے باہر نکالی جو تصویر کے پیچھے چھپی تھی۔ پلاسٹک کا ننھا سا زپ لاک بیگ۔ بالکل آدھی انگلی کے جتنا۔ ایئر ٹائٹ۔ تالیہ اچنبھے سے اس کو آنکھوں کے سامنے اوپر لائی۔ شفاف پلاسٹک کے اندر پاپ کارن کے چند ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے تھے۔

اس کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔

(وان فاتح جیسا بڑی عمر کا پریکٹیکل آدمی.... سیاستدان.... پورے ملک کی حکمرانی کے قریب ہونے والا شخص.... وہ پلاسٹک بیگ میں یہ پاپ کارن کے ٹکڑے کیوں رکھے گا؟) ٹکڑے پرانے لگتے تھے۔ بہت پرانے۔ یہ غلطی سے اندر نہیں آن گرے تھے۔ بالخصوص محفوظ کیے گئے تھے۔

وہ سوچ میں گم بٹوہ جیب میں ڈالتی مڑی تھی کہ نظروں کے سامنے جھماکہ سا ہوا....

کیا خواب دیکھا تھا اس نے بھلا جب پہلی دفعہ وہ وان فاتح سے مل کے تنکو کامل کے گھر سے لوٹی تھی؟

چونک کے تالیہ نے اطراف کے درختوں کو دیکھا....یہی درخت تھے وہ۔یہی گدلی زمین۔

وہ ایڈم اور فاتح سے دور آئی تھی اور اس کی گردن میں پھندا آ پڑا تھا.....ایسا ہی کچھ تھا اس کے خواب میں۔

پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ....وہ جنگل میں اکیلے نہیں تھے....

وہ تیزی سے واپس بھاگی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔سانس پھولنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

پیچھے جنگل کے اس حصے میں ویسا ہی سکون تھا۔فاتح درخت سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے ہوئے تھا....اور ایڈم سستی سے سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے گھاس پہ لیٹا تھا جب ان دونوں نے قریب آتے قدموں کی آواز سنی۔

''کیا معلوم ہے تالیہ اس دفعہ کوئی شیر شکار کر لائی ہوں۔'' ایڈم جل کے بولا تھا۔

فاتح ہلکا سا ہنس دیا اور آنکھیں کھول کے گردن گھمائی۔درختوں کے پار سے قدم نزدیک آتے سنائی دے رہے تھے۔ٹہنیاں ہٹاتے ہاتھ۔پیچھے سے نکلتے سراپے....دو سے زیادہ قدم....مردانہ قدم....

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔خطرے کی گھنٹی بجی۔

''ایڈم!'' وہ تیزی سے اٹھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔آنے والے ان کے سروں پہ پہنچ چکے تھے۔

وہ تین آدمی تھے۔لمبے بال....سانولی رنگت....ماتھے پہ پٹی' اور پاجامے کے اوپر بنا آستین کے قمیض پہنے....ایک سے حلیے اور ہاتھوں میں خم دار' چمکتی تلواریں۔ان دونوں کو دائرے کی صورت گھیرا اور تلواریں ان کی طرف تان لیں۔

فاتح نے احتیاط سے ان کو دیکھتے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا دیے۔ایڈم بھی تیزی سے سیدھا ہوا اور ہاتھ جیب تک گیا جس میں پستول تھا۔

''ایڈم....کوئی بیوقوفی مت کرنا....یہ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہیں۔'' اس نے دبی آواز میں انگریزی میں گھرکا۔ایڈم نے ہاتھ کھینچ لیا۔

تب ہی ان تینوں میں سے ایک غرا کے کچھ بولا۔ایڈم جو دھیرے سے ہاتھ اٹھائے سیدھا ہو رہا تھا' ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھنے لگا۔

وہ آدمی پھر سے کچھ غرایا اور ان پہ تانی تلوار آگے کی۔

اور وان فاتح کو احساس ہوا کہ اسے ایڈم سے انگریزی میں بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر وہ ملے بھی بولتا' تو وہ تب بھی اس کی بولی نہ سمجھ سکتے۔بھلے ملک وہی تھا' زبان وہی تھی' قوم وہی تھی' مگر چھ سو سال پہلے کی 'ملے زبان' مختلف تھی۔لہجہ' الفاظ' سب کچھ جدا تھا۔وہ تینوں قدیم ملے میں بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے اور فاتح اور ایڈم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

''ہم مسافر ہیں....راستہ بھٹک گئے ہیں۔'' فاتح نے ہاتھ فضا میں بلند کیے کہنے کی کوشش کی۔ان کا سرغنہ جس کے چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان تھا' ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔پھر دوبارہ اپنی بات دہرائی' جیسے اب غصے میں آ رہا ہو۔

درختوں کے جھنڈ میں سے تالیہ دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ان سے کچھ دور وہ ٹھہر گئی۔پتوں سے لدی ٹہنی ہٹائی اور سامنے نظر آتا منظر دیکھا جہاں تین افراد ان دونوں کو نرغے میں لئے تلواریں تانے کھڑے تھے۔

تالیہ کا سانس رک گیا۔یا اللہ....اب وہ کیا کرے؟ اس نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

سرغنہ اب چلا کے اپنی بات دہرا رہا تھا۔''تم کون ہو؟ اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ کیا تم اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہو؟ جواب دو!''

فاتح نے بے بسی سے ایڈم کو دیکھ کے کندھے اچکائے' جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو وہ آدمی کیا پوچھ رہا ہے۔درخت کی اوٹ سے دیکھتی تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

وہ اس زبان سے واقف تھی۔وہ لہجہ' وہ الفاظ....یہی اس کے بابا بولتے تھے ان خوابوں میں....وہ ان کو بنا کسی دقت کے سمجھ سکتی تھی۔تو یہ تھا وہ عجیب پن جو ان خوابوں میں تھا؟ صرف زمانہ نہیں' وہ 'زبان' کا فرق تھا جو بتاتا تھا کہ کچھ غلط ہے....

وہ تینوں اب آپس میں کچھ کہہ رہے تھے۔یہاں تک آواز نہیں آ رہی تھی۔فاتح نے دفعتاً ہاتھ دھیرے سے گراتے ہوئے مصالحتی انداز میں بات کرنے کی کوشش کی۔''میں یہاں جنگل میں راستہ ڈھونڈنے....'' مگر سرغنہ نے تیزی سے تلوار اس پہ تان لی تو اس نے ''اوکے اوکے ریلیکس'' کہتے ہوئے دوبارہ ہاتھ اٹھا دیے۔ان جنگلیوں کا کیا بھروسہ۔وہ تلوار چلا ہی دیتے۔

تالیہ نے جیب سے خنجر نکالا' اور ایک آنکھ بند کیے تاک کے نشانہ باندھا۔سرغنہ کے کندھے کا نشانہ۔پھر مہارت سے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور.....

کسی نے پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پہ ضرب ماری تھی۔اس کا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا۔خنجر پھسل کے نیچے جا گرا....اور اسے اپنا وجود کسی کٹی ٹہنی کی طرح زمین نے گرتا محسوس ہوا....

اندھیرا....گھپ اندھیرا....وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر درد کی شدت سے وہ کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔سر کسی لکڑی سے ٹکا رکھا تھا' اور جسم ہوا میں جھول رہا تھا۔گویا وہ کسی چلتی چیز پہ سوار ہو....اور سواری تیزی سے راستے پہ آگے بڑھ رہی ہو اور اس کا جسم ساتھ ساتھ ہل رہا ہو.... ہلکے ہلکے جھٹکے....اس نے پلکیں بدقت کھولیں....ذرا سی جھری سے روشنی نظر آئی پھر وہ بوجھ سے واپس گر گئیں.....

☆......☆......☆

سخت نیند میں پلکیں اٹھانا بہت پر مشقت کام لگ رہا تھا' مگر کانوں میں آتی آواز نے اس کو جگا دیا۔

گیارہ سالہ تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

یتیم خانے کے اس کمرے میں دو بنکر رکھے تھے جن میں اوپر تلے چار بستر بچھے تھے۔ باقی تین لڑکیاں اپنے اپنے بستروں میں سو رہی تھیں۔ صرف اوپری بنکر پہ لیٹی تالیہ تھی جو آواز سے جاگ گئی تھی۔

کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ باہر راہداری سے روشنی آ رہی تھی۔ تالیہ نے لیٹے لیٹے گردن دروازے کی سمت موڑی۔ وہاں دو ہیولے سے کھڑے تھے۔ دو عورتیں جو دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔ اس کا دماغ اس زبان کو سمجھ نہیں پا رہا تھا جو وہ بول رہی تھیں۔

''کیا وہ اپنے نام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی' ماریہ؟'' ایک نے دوسری سے پوچھا۔ تالیہ خاموشی سے لیٹی وہ انجان زبان سنے گئی۔

''اس نے صرف اپنا نام بتایا' اور پھر اس نے چند باتیں کہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا سوائے چند الفاظ کے۔ وہ عجیب لہجے میں بولتی ہے' شاید کوئی علاقائی زبان۔''

''تمہیں کیا سمجھ آیا؟''

''میرا گاؤں... گاؤں کے لوگ... مر جائیں گے... بابا کا ذکر... مدد... مجھے خالی جگہیں خود پر کرنی پڑیں۔''

''اور دوبارہ وہ کچھ نہیں بولی؟''

''نہیں۔ ایسے لگتا ہے وہ سب کچھ بھول گئی ہے۔'' مسز ماریہ اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

''پولیس نے بھی کوئی سراغ نہیں لگایا؟''

''بچی کی تصاویر ٹی وی تک پہ دی ہیں' اخباروں میں بھی لگوائی ہیں مگر ایسے لگتا ہے وہ آسمان سے گری ہے یا زمین سے اُگی ہے.... کیونکہ اسے لینے کوئی نہیں آیا نہ ہی کوئی اسے جانتا ہے!''

نیم اندھیرے میں کھڑے دونوں ہیولے باتیں کر رہے تھے اور اوپر بنکر پہ کروٹ کے بل لیٹی لڑکی سن رہی تھی مگر ان کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کیا وہ کھاتی پیتی ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔ وہ کھانا پینا تو نہیں بھولی۔ اپنے کام بھی خود کرتی ہے۔ سمجھدار ہے۔ بس باقی باتیں بھول گئی ہے۔''

''کل جب میں کھانے کی میز کے ساتھ سے گزری تو میں نے دیکھا ماریہ' وہ اپنی کلائی کو بار بار چھو کے دیکھ رہی تھی' جیسے کوئی لڑکی اپنے کڑے کو مس کرتی ہے۔''

''ایسے ہی کچھ دیکھ رہی ہو گی۔ آپ زیادہ سیریس نہ لیں۔'' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔ کھڑے کھڑے انہوں نے پہلو بدلا۔

''کوئی چوڑی' کڑا وغیرہ تو نہیں پہن رکھا تھا اس نے جب وہ یہاں آئی تھی؟ مجھے لگتا ہے اسے صرف یہی بات یاد ہے کہ اس کی کلائی میں کچھ تھا۔'' دوسری عورت سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی' مگر مسز ماریہ اس کو کہنی سے تھام کے آگے لے جانے لگیں۔

''آپ تالیہ کی فکر نہ کریں۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔ میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی اور ان شاء اللہ اس کی یادداشت واپس آجائے گی۔''

جاتے جاتے مسز ماریہ نے دروازے کو بند کر دیا۔ پٹ چوکھٹ سے آن لگا تو روشنی کا راستہ رک گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اور اس گھپ اندھیرے میں وہ آنکھیں پوری کھولے اندھیر پڑی دیوار کو تکنے لگی۔

☆......☆......☆

تالیہ نے دوبارہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ پلکیں جدا ہوئیں تو روشنی سی امڈ آئی۔ نقاہت سے اس نے پلکیں جھپکائیں۔ منظر دھندلا تھا۔ سبزہ سا ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔ یا وہ کسی سواری پہ تھی جو چلتی جا رہی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی....سوائے گھوڑے کے ٹاپوں کے....تیز آواز....پتھریلی زمین پہ سرپٹ دوڑنے کی آواز....

بوجھ بڑھ گیا تو اس نے پلکیں واپس گرا دیں....پھر سے ساری دنیا اندھیر ہونے لگی.....

☆......☆......☆

وہ گلاب سیاہی مائل سرخ تھے۔ اتنا گہرا سرخ رنگ کہ ان پہ سیاہ رنگ کا گمان ہوتا تھا۔ کھڑکی میں ان گلابوں پہ بڑا سا گلدستہ رکھا تھا۔ کرسی پہ بیٹھی وہ پھولے گالوں والی قدرے موٹی بچی ان پھولوں کو تکے جا رہی تھی۔

ساتھ والی کرسی پہ مسز ماریہ بیٹھی تھیں جو میز کے اس پار براجمان ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ چھوٹے بالوں اور چشمے والی سانولی سی خاتون تھیں جن کے چہرے پہ تالیہ کے لیے خالص فکرمندی تھی۔

''میں نے ساری رپورٹس بھی دیکھی ہیں اور تالیہ کا بذاتِ خود معائنہ بھی کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ تالیہ ان کے آفس کی ہر شے سے بے نیاز صرف ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ جسمانی لحاظ سے بالکل فٹ ہے۔ اس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی مگر قد کاٹھ میں یہ عمر سے بڑی لگتی ہے۔ ہڈیاں مضبوط ہیں' اور میرا خیال ہے کہ یہ خالص اور متوازن غذا پہ بڑی ہوئی ہے۔''

''مگر یہ ہمیں بہت برے حال میں ملی تھی۔ جیسے کسی غریب گھرانے کی افلاس کی ماری لڑکی ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس کا گھرانہ غریب ہی ہو مگر شاید کسی ایسی جگہ رہتی ہو جہاں اچھا کھانے کو ملتا ہو جیسے کوئی گاؤں وغیرہ۔ وہ ہاتھوں سے کھاتی ہے مگر نفاست سے۔ یعنی خاندانی ہے اور اس کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ ایک ایک بات پہ زور دے رہی تھیں۔

''مگر اس کی یادداشت۔'' مسز ماریہ کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''کسی ذہنی صدمے کے باعث اس کی یادداشت چلی گئی ہے' یہ درست ہے' مگر بظاہر اسے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ گردن پہ جلنے کا نشان ہے مگر میرا نہیں خیال اس کا تعلق اس کی یادداشت کھونے سے ہے۔ میں نے اس سے بات کر کے دیکھی ہے۔ اس کے چند الفاظ سمجھ میں آتے ہیں' شاید دور کسی گاؤں کی علاقائی زبان بولتی ہے جس سے ہم واقف نہیں مگر چند الفاظ ملے کے ہی ہیں۔''

''اگر اس کی یادداشت کھوگئی ہے تو وہ اپنی زبان کیوں نہیں بھولی؟''

''خیر.... کچھ علوم.... زبانیں.... یہ سب پروسیجرل میموری میں اسٹور ہوتے ہیں۔ اور یادیں ذہن کے دوسرے خانوں میں بنتی ہیں۔ بہت سے کیسز میں لوگ اپنی عادتیں نہیں بھولتے۔ وہ پیانو بجا لیتے ہیں' مختلف زبانیں بول لیتے ہیں' کھانا پینا نہیں بھولتے۔ ان کو بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ بس ان کو یہ یاد نہیں ہوتا کہ ان کو کیا کیا کرنا آتا ہے۔''

ایک ترحم بھری نظر انہوں نے تالیہ پہ ڈالی جو ابھی تک پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ترچھی تھی اور لمبے سیاہ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

''یعنی اس کو بہت کچھ کرنا آتا ہے اور موقع ملنے پہ وہ خود دیکھ لے گی کہ وہ کیا کیا کر سکتی ہے مگر ابھی اسے وہ یاد نہیں۔''

''بالکل۔''

''اور کیا اس کی یادداشتیں بھی واپس آئیں گی۔''

''میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ کوئی جسمانی چوٹ تو اسے لگی نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسے جلد سب کچھ یاد آ جائے۔'' مسز ماریہ نے ایک فکرمند نظر اس پہ ڈالی جو اب بھی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ مسز ماریہ کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جھکیں۔ وہ ایک انگلی کلائی کے گرد دائرے کی صورت پھیر رہی تھی۔ گویا کوئی کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہو.....

مسز ماریہ کا دل بری طرح دھڑکا.... کتنا اچھا ہوا سے وہ بریسلیٹ بھولا رہے جو انہوں نے اتنا مہنگا بیچا تھا۔ اگر اسے وہ یاد آ گیا اور اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دوسری ٹیچرز کو معلوم ہو گیا تو وہ کیا کریں گی؟

وہ جھرجھری سی لے کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

☆......☆......☆

تالیہ نے پلکیں دقت سے جھپکائیں..... اس کا جسم ابھی تک ہلکا ہلکا ہل رہا تھا۔ سواری چل رہی تھی.... منظر ذرا دھندلا تھا مگر چند لمحوں بعد دھند چھٹتی گئی.....

اس نے دیکھا کہ لکڑی کی سلاخوں سے بنا چوکور سا پنجرہ ہے جس میں وہ بیٹھی تھی.... اور نقاہت سے سر لکڑی کی سلاخوں سے ٹکا

رکھا تھا۔ وہ پنجرہ کسی سواری پہ رکھا تھا... گھوڑا گاڑی پہ شاید... اور گھوڑے اس کو دوڑاتے دور جا رہے تھے۔ پتھریلی پکی سڑک... اور سڑک کنارے دور دور تک اُگے سبز کھیت... شام کا نیلگوں وقت... ٹھنڈی ہوا... اور وہ پنجرہ.....

درد... سر کے پچھلے حصے میں درد کی لہر پھر سے اٹھنے لگی تو اس نے نقاہت سے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

یتیم خانے کا عقبی لان سرسبز گھاس سے ڈھکا تھا۔ ایک طرف جھولے لگے تھے جن کے آگے پیچھے بہت سے بچے پھر رہے تھے۔ کچھ ٹولیوں کی صورت گھاس پہ بیٹھے تھے۔

ایسے میں ایک تنہا بنچ پہ وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی نسبت ذرا موٹی بچی جس کے گال خوش خوراکی سے مزید پھول گئے تھے۔ وہ سر جھکائے، گھٹنوں پہ کاپی رکھے صفحے پہ قلم چلا رہی تھی۔

مسز ماریہ نے دور سے اسے بیٹھے دیکھا تو گہری سانس بھری اور قریب آئیں۔ اس کے ساتھ بنچ پہ جگہ سنبھالی تو تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے دیکھا اور مسکرائی، پھر دوبارہ سر جھکا کے قلم چلانے لگی۔ لمبے سیاہ بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔

''کل مسز حلمی نے بتایا کہ تم نیند میں ڈر گئی تھیں۔ کوئی برا خواب دیکھا تھا تم نے؟''

تالیہ نے قلم صفحے پہ رگڑتے سر ہلایا۔ ''مجھے یاد نہیں کیا دیکھا، مگر کچھ برا ہی تھا۔'' کندھے ذرا سے اچکائے۔ ان چند ہفتوں میں وہ ٹوٹی پھوٹی زبان سیکھ گئی تھی اور اب بات سمجھ اور سمجھا لیتی تھی۔

''مثلاً کیا؟'' مسز ماریہ محبت اور اپنائیت سے پوچھتے ہوئے اس کے بال نرمی سے پیچھے ہٹانے لگیں۔

''اندھیرا سا تھا... اور میں کسی سے کہہ رہی تھی کہ شہزادی ظالم ہے، وہ گاؤں کو تباہ کر رہی ہے۔'' وہ خاکے میں سیاہ رنگ بھرتے سادگی سے بولی۔

''کون سی شہزادی؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' پھر سے شانے اچکا دیے۔

''تم بہت کھانے لگی ہو تالیہ۔ اس لئے معدہ ڈسٹرب ہو جائے تو برے خواب آتے ہیں۔ اچھا دکھاؤ، کیا بنایا ہے تم نے؟'' انہوں نے بات بدلتے ہوئے نرمی سے کاغذ لینا چاہا تو اس نے مسکرا کے کاغذ خود ہی آگے بڑھا دیا۔ مسز ماریہ نے کاغذ چہرے کے سامنے لا کر دیکھا۔

''ہوں... اچھا ہے، لیکن تم بس ایک یہی چیز کیوں بناتی ہو؟ جزیرے کے اوپر پہاڑی، چاروں طرف سمندر اور پہاڑی کی چوٹی پہ محل....''

بچی نے دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ گرا دیا اور شانے اچکا دیے۔ انہوں نے کاغذ سے نظر ہٹا کے اسے دیکھا۔

''کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم ایسے محل میں رہو؟''

تالیہ کی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں چمکیں۔ مگر گال سرخ ہوئے۔ قدرے خجالت' قدرے جوش سے اس نے سر ہلایا۔ مسز ماریہ نے مسکرا کے اسے کاغذ واپس کر دیا۔

وہ جب واپس آفس آئیں تو ٹھٹک کے رکیں۔

وہاں ایک درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ ماریہ کی رنگت بدلی۔ جلدی سے دروازہ بھیڑا اور اندر آئیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس آدمی نے مسز ماریہ کو دیکھتے ہی ابرو غصے سے بھینچ لیے۔

''وہ سنار میری جان لے لے گا' ماریہ۔''

''آہستہ بولو.... کوئی سن لے گا۔'' وہ اضطراب سے کہتے ہوئے سامنے بیٹھیں۔ نو وارد پہ جمی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''ماریہ.... وہ بریسلیٹ اور وہ سکہ.... وہ تم سے خرید کے جس سنار کو میں نے بیچا وہ کب سے اپنے پیسے واپس مانگ رہا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ وہ دونوں چیزیں پگھل کے ہی نہیں دے رہیں۔ وہ کوئی ملعون زیور ہے۔ جب سے اس نے خریدا ہے' اس پہ آفتیں آ رہی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہے۔''

''اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں پیسے خرچ کر چکی ہوں۔'' انہوں نے فوراً ہاتھ جھلائے۔ نوارد نے غصے سے دانت کچکچائے۔ ''ماریہ.... اگر وہ مجھے اسی طرح تنگ کرتا رہا تو میرے پاس تم سے پیسے لے کر اسے واپس دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔''

''اس کو کہو وہ اسے آگے بیچ دے۔'' وہ تیزی سے کہہ رہی تھیں۔ آدمی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ملعون چیز ہے' ماریہ۔ اسے ڈر ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔''

''میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے نہیں پتہ۔'' وہ خود کو سنبھال چکی تھیں اور اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھیں۔

''وہ لڑکی جس کے ہاتھ میں یہ تھا۔ تم اس سے احتیاط کرنا.... کیا معلوم وہ بھی کسی سحر کے زیرِ سایہ ہو۔ ملعون۔ سحر زدہ۔'' وہ اسے متنبہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

ان سے دور.... باہر بینچ پہ بیٹھی تالیہ اب ایک نئے کورے کاغذ پہ خاکہ بنا رہی تھی۔ ایک مختلف جزیرہ.... ایک مختلف محل.... یہ ستونوں والا تھا اور زیادہ خوبصورت تھا۔

☆......☆......☆

''تالیہ....تالیہ.!''

مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی....اندھیرے میں جیسے کوئی دھیمی سی سرگوشی ہو جو نیند کے سحر کو توڑ دے....تکلیف کے باوجود اس نے بدقت آنکھیں کھولیں....دھندلا سا منظر دکھائی دیا.....

پنجرے میں اس کے سامنے کوئی بیٹھا تھا...ہیولہ سا..قریب....اس کی طرف فکرمندی سے جھکا ہوا.....

''تالیہ..!''

اس نے پلکیں جھپکائیں....تصویر واضح ہوئی....وہ کوئی مرد تھا....شکل ابھی تک دھندلی تھی...گدلی سفید شرٹ' ماتھے پہ آگے کو گرے بال....چھوٹی آنکھیں....اور آنکھوں میں فکرمندی....

''تم ٹھیک ہو تالیہ؟'' تشویش میں ڈوبی آواز....اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ یہ کس کی آواز تھی؟ شناسا....بہت شناسا سا....

☆......☆......☆

چوکھٹ میں وہ ہچکچاتی ہوئی بارہ سالہ لڑکی کھڑی تھی۔ پہلے سے کافی موٹی ہو چکی تھی مگر بال اب بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پہ تذبذب تھا۔

سامنے ایک آفس تھا جس میں فائلوں سے بھری اونچی الماریاں رکھی تھیں۔ کرسی خالی تھی اور آفس کی مالکن (یتیم خانے کی کچن انچارج) 'مسز ایگنیس ایک الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔ دستک پہ پلٹیں اور ذرا کوفت سے اسے دیکھا۔

''ہاں تالیہ....بولو....کیسے آئیں؟''

وہ ایک گال پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑستی اندر داخل ہوئی۔ پھر ہاتھ باہم مروڑتے ہوئے ہچکچا کے کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی میم۔''

''جلدی بولو' مجھے بہت کام کرنے ہیں۔'' وہ بےزاری سے کھڑے کھڑے بولیں۔

''وہ....میم....میس میں کھانا....بہت....کم ہوتا جا رہا ہے ہر روز۔ کیا آپ مقدار بڑھا نہیں سکتیں؟'' وہ اب صاف ملے بول رہی تھی۔

''نہیں۔ اور کچھ؟''

تالیہ نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ''میم میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں کیا کروں؟ مجھے ساری رات بھوک سے نیند نہیں آتی۔''

''بھوک' نیند اور لالچ جتنا بڑھاؤ بڑھتی ہے' جتنا گھٹاؤ گھٹتی ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنی بھوک کم کرنے پہ دھیان دو۔''

''میم پہلے ٹھیک تھا کھانا' اب آپ لوگوں نے مقدار کم کر دی ہے اور....''

''بات سنو تالیہ۔'' وہ اسے گھور کے درشتی سے بولیں۔ ''جو مل رہا ہے نا' یہ بھی لوگوں کی خیرات سے مل رہا ہے' اور خیرات پہ پلنے

والے نخرے نہیں کرتے۔''

تالیہ کی آنکھوں سے قطرے ٹپ ٹپ گالوں پہ لڑھکنے لگے۔

''اب جاؤ۔'' کروفر سے ہاتھ جھلا کے کہا تو وہ مڑ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا' میم ایگنیس کی میز پہ خوبصورت ڈیزائنر بیگ رکھا تھا۔ میم کے جوتے بھی نئے تھے۔ کلائی کی گھڑی بھی قیمتی لگ رہی تھی۔ یہ سب کھانے کی مقدار گھٹانے سے پہلے تو نہیں ہوتا تھا۔

ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ باہر نکل آئی۔ سامنے سے خاکروب وائپر اور جھاڑو لئے چلا آ رہا تھا۔ یقیناً اس نے اب آفس کی صفائی کرنی تھی۔

اگلی صبح وہ ابھی بستر میں سو رہی تھی' جب کسی نے زور سے اس کا لحاف کھینچا۔ تالیہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

''نیچے اترو۔'' کمرے میں اتنے سارے لوگ۔ ان کے غصیلے چہرے۔ وہ نیند کی کیفیت میں چند لمحے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی' پھر حواس واپس آئے تو تیزی سے بنکر کی سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے اتری۔

میم ایگنیس کمر پہ ہاتھ جمائے سرخ چہرے کے ساتھ سامنے کھڑی تھیں۔

''میرے پیسے کہاں ہیں؟'' انگارہ ہوتی آنکھوں سے سوال کیا۔

''جی؟'' تالیہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''ڈرامے نہیں کرو۔ کل تم آئی تھیں میرے آفس۔ میز پہ میرے بیگ میں نوٹوں کی گڈی رکھی تھی۔ وہ تمہارے جانے کے بعد غائب ہوئی۔ کہاں ہے وہ؟''

اس کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ بری طرح کچلے جانے کا احساس اسے یوں پہلی دفعہ ہوا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ تالیہ چور نہیں ہے' میم۔ تالیہ نے چوری نہیں کی۔''

زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پہ لگا۔ وہ تیورا کے نیچے گری۔

ایگنیس کے پیچھے کھڑی افسردہ سی مسز ماریہ نے روکنا چاہا لیکن پھر ٹھہر گئیں۔ وہ مداخلت نہیں کر سکتی تھیں۔ آفس پالٹکس۔

''اس کے سامان کی تلاشی لو۔ اور آج سے تالیہ کا ایک وقت کا کھانا بند۔ جب تک یہ میرے پیسے واپس نہیں کرتی۔'' ایگنیس ہدایات دے رہی تھیں۔

اور وہ گال پہ ہاتھ رکھے صدمے سے نیچے گری پڑی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ رہا تھا.... اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا.... پسِ منظر میں آوازیں آ رہی تھیں.... اس کا سامان کھولنے کی.... کچھ نہ ملنے کا اعتراف کرنے کی.... مگر ایگنیس کی چیخ و پکار جاری تھی....

☆......☆......☆

"تالیہ....تم ٹھیک ہو؟"

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کو واپس کھینچ لائی تھی۔اس کا جسم تیز دوڑتی سواری کے باعث جھول رہا تھا۔بدقت اس نے آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپکائیں۔

وہ سامنے بیٹھا فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے پلکیں سکوڑ کے دیکھا۔اس کا چہرہ واضح ہوا۔

"توانکو" وہ ذرا سا اٹھ کے بیٹھی۔وہ وان فاتح تھا اور وہ پنجرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔اس کے پیچھے پنجرے کی سلاخوں سے سڑک کنارے دوڑتے کھیت نظر آ رہے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟"اس نے پھر پوچھا۔آواز بار بار پلٹ کے سنائی دیتی جیسے وہ کنویں میں بول رہا ہو۔شاید اس کے کان بج رہے تھے۔

"ہوں!"اس نے سر کو ذرا سی جنبش دی۔کچھ بولا نہیں جا رہا تھا....وہ جواب میں کچھ پوچھنے لگا مگر اب اس کی آواز آنا بند ہوگئی۔صرف لب ہلنے لگے۔گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کی سماعت پہ چھانے لگی۔تالیہ نہیں جانتی تھی کہ اس شور میں وہ کیا کہہ رہا ہے۔

☆......☆......☆

وہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا جس سے کئی کمروں کے دروازے باہر کھلتے تھے۔شام کے اس پہر وہ خاموش پڑا تھا۔دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور یتیم خانے کا خاکروب باہر نکلتا دکھائی دیا۔منہ میں کچھ چباتا وہ دروازہ بھیڑ کے آگے بڑھ گیا۔

دیوار کی اوٹ سے تالیہ دھیرے سے نکلی۔اس کے پھولے گال پہ نیل کا واضح نشان تھا اور آنکھوں میں سلگتا ہوا غصہ۔

خاکروب اب بے پرواہ سا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔وہ مقفل نہیں تھا۔وہ اناڑی چور تھا لیکن اگر اتنا ہی ذہین ہوتا تو خاکروب تھوڑا ہی ہوتا؟

وہ تیزی سے اندر گھس گئی اور دروازہ بند کرلیا۔پھر بتی جلائی۔سادہ کمرہ....الماری....صندوق۔وہ تیزی سے آگے آئی اور ایک ایک چیز کھولنے لگی۔چند منٹوں میں کمرے کا حشر نشر ہوگیا۔جو آخری چیز اس نے کھولی وہ تکیے کا غلاف تھا۔اسے الٹایا تو نوٹوں کی گڈی زمین پہ آن گری۔

وہ تلخی سے مسکرائی اور گڈی اٹھائی۔(تو یہ تھی وہ رقم جس کے لئے ایگینس نے مجھ پہ جھوٹا الزام لگایا؟ میرے بعد خاکروب آیا تھا۔یہ واقعی اسی نے چرائی تھی۔)

اس نے رقم لباس میں چھپائی'ایک نظر کمرے کو دیکھا اور پھر اسے اسی طرح چھوڑ کے باہر نکل آئی۔یہ اس کی پہلی چوری تھی اور تھی تو وہ بھی اناڑی چور مگر جانتی تھی خاکروب کبھی بھی گڈی نکال لینے والے کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے نوٹوں کی گڈی چھپادی اور پھر بستر پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی سوچتی گئی۔

کیا وہ یہ رقم ایگنیس کو واپس کر دے؟ مگر پھر گال پہ ہاتھ رکھا تو کراہ نکلی۔ درد ابھی تک ہوتا تھا۔ سر نفرت سے ہلایا۔ ہر گز نہیں۔

تو پھر وہ اس کا کیا کرے؟ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے وہ سوچتی رہی۔

اس رات جب میس میں کھانا لگا تو اس نے آہستہ آہستہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سب اٹھ گئے اور وہ ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نرملا دیوی جو وہاں کام کرتی تھی، کوفت سے اس کی میز تک آئی۔ ''تم اٹھو گی یا نہیں؟''

''نرملا دیوی....'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے لجاجت سے بات شروع کی۔ دل دھڑک رہا تھا۔

''کیا تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟''

''بتاؤ'' وہ سننے رک گئی۔ تالیہ نے ایک تہہ شدہ نوٹ کپڑوں سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ نرملا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''تالیہ۔ تم نے واقعی مسز ایگنیس کے پیسے چرائے تھے؟''

''شش۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''اگر میں تمہیں روز پیسے دوں تو تم مجھے زیادہ کھانا دیا کرو گی؟ بہت زیادہ۔''

نرملا نے ایک نظر نوٹ کو دیکھا اور چہرے پہ غصہ لے آئی۔

''کیوں بھئی؟ میں کیوں کروں گی ایسا؟ بلکہ میں ابھی مسز ایگنیس کو بتا دوں گی۔''

''کیا بتاؤ گی؟ کہ تالیہ نے آپ کے پیسے چرائے ہیں؟ سارا یتیم خانہ پہلے سے ہی یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ پیسے رکھ لو تو تمہیں ہی فائدہ ہوگا....'' وہ جتنی تیزی سے بولی.... نرملا لاجواب ہو گئی....

پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور نوٹ تھام لیا....

☆......☆......☆

''اس نے تمہارے سر پہ مارا تھا کچھ شاید۔ کیا تمہیں درد ہو رہا ہے؟'' فاتح کے الفاظ اب کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔ گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور وہ پنجرے کے کونے میں بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ویرانی اور خالی پن سے۔ ذہن اس کے الفاظ کو رجسٹر نہیں کر پا رہا تھا۔

''سر میں درد ہے کیا؟'' وہ فکرمندی بھری نرمی سے سوال پوچھ رہا تھا۔

''ہم....کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے خود کو کہتے سنا....

پنجرے کے باہر اب کھیت نیلے اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے....شاید مغرب پھیل رہی تھی.....

☆......☆......☆

نرملا دیوی راہداری میں چلتی جا رہی تھی جب تالیہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ پہلے سے بڑی اور سنجیدہ نظر آتی تھی۔ قد نرملا کے

برابر پہنچنے کو تھا۔ گال زیادہ پھول گئے تھے۔ راہداری کے وسط میں اس نے نرملا کو روکا تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں رکی۔

''کیا ہے؟'' لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ساڑھی پہ جیبوں والا لمبا سوئیٹر پہنے وہ ایک تیز طرار عورت لگتی تھی۔

''نرملا دیوی.... میں نے تم سے چاول زیادہ مانگے تھے اور تم نے مجھے نہیں دیے۔''

''کیونکہ تم اب مجھے پیسے نہیں دے رہیں۔''

''میرے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہوں' تم جب بازار جاتی ہو ٹرپ کے ساتھ تو اپنے کپڑوں میں کتنے کیک اور چاکلیٹس چھپا کے واپس لاتی ہو۔ اگر تم فضول خرچی نہ کرتیں تو اتنے سارے پیسے ختم نہ ہوتے۔'' وہ ناک سکوڑ کے بولی۔

''مگر اتنے ماہ تو میں نے تمہیں پیسے دیے ہیں۔ اب نہیں ہیں تو کیا کروں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تم چور ہو۔ چرا لو کسی سے۔ لیکن اگر پیسے نہ دیے تو زیادہ کھانا نہیں دوں گی۔'' وہ ہونہہ کہہ کے آگے بڑھی۔ تالیہ راستے میں کھڑی تھی' سو اس کو ایک ہاتھ سے تالیہ کو پرے دھکیلنا پڑا۔ اور اسی وقت تالیہ کا ہاتھ نرملا کے سوئیٹر کی جیب میں گیا۔ نرملا چلتی گئی۔ تالیہ نے بند مٹھی کھولی۔ اندر چابی تھی۔

(آخر میں چور ہوں نا۔) اس نے دکھ سے وہ چابی دیکھی۔ ان میں سے ایک میس کے فریج کی چابی تھی۔ جو نرملا کی دسترس میں رہتی تھی۔

اگلی صبح چابی نرملا کی جیب میں واپس آ چکی تھی مگر جب ناشتے کے لئے اس نے فریج کا دروازہ دیکھا تو اس کا لاک کھلا تھا اور لاک کے اندر چابی ٹوٹی ہوئی تھی۔ شاید کل جلدی میں فریج بند کرتے ہوئے چابی لاک کے اندر ٹوٹ گئی ہو اور اسے علم نہ ہو سکا ہو۔ مگر شکر کے دروازہ لاک نہیں ہوا تھا۔ ورنہ یہاں سب اتنے سست تھے' کوئی بھی لاک تبدیل کروانے کی ہمت نہ کرتا۔

اب وہ فریج کو لاک نہیں کر سکتی تھی مگر دروازہ کھول بند کر سکتی تھی۔ (خیر ہے کسی دن لاک بدلوا دوں گی۔ کون سا بچوں کو علم ہے کہ دروازہ اب لاک نہیں ہو گا اور وہ کچھ چرا لیں گے۔) اس نے بے پرواہی سے اندر سے دودھ نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔

مگر ایک بچی کو علم تھا کہ اب رات کو دبے پاؤں میس میں جا کر کھانا کہاں سے چرانا ہے۔

☆......☆......☆

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی تھی۔

پتھریلی سڑک پہ دوڑتی گھوڑا گاڑی کو مسلسل جھٹکے آ رہے تھے۔ کھیت اب اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

''میں نہیں جانتا۔ انہوں نے گن پوائنٹ پہ....'' وہ رکا۔ ''تلوار تان کر ہمیں اندر بیٹھنے پہ مجبور کیا۔ اور پھر یہ تمہیں بھی لے آئے۔

تم بے ہوش تھیں۔"

"اور ایڈم؟" اس نے نظریں گھمائیں۔ دوسرے کونے میں ایڈم اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسے خود کو دیکھتا پا کے سر کو خم دیا۔

"بری خبر ہے تالیہ۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔"

اس کی نظریں ایڈم کے ہاتھوں پہ جم گئیں۔ وہ آگے کو اکٹھے تھے اور کلائیوں کے گرد رسی بندھی تھی۔ رسی اس کی گردن تک جاتی تھی۔ اور پیروں میں بھی۔ وہ پوری طرح سے بندھا تھا۔

"اس کے ہاتھ...." وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی...."کیوں بندھے ہیں؟"

اب سارے پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سڑک تاریک ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

یتیم خانے کی پتھریلی عمارت اس ڈوبتی شام میں یوں کھڑی تھی کہ اس کے سائے لمبے ہو کے گھاس پہ گر رہے تھے۔ سورج کا نارنجی تھال ڈوبنے کے قریب تھا۔ تالیہ ایک درخت سے ٹیک لگائے گھٹنوں پہ کاپی رکھے قلم تیز تیز چلا رہی تھی۔ کاغذ پہ ایک سیاہ سفید سا اسکیچ ابھر رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پہ مخروطی چھت والا محل۔

دفعتاً بوٹ میں مقید دو پیر اس کے سامنے آر کے۔ ایسے سیاہ چمکدار بوٹ کہ ان میں چہرہ نظر آئے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ وہ ٹو پیس میں ملبوس ایک آدمی تھا جس کے سر پہ انگریزوں والا سیاہ ہیٹ تھا اور ہاتھ جیبوں میں تھے۔ صاف رنگت، چینی نقوش، دلکش مسکراہٹ اور ہاں....کوٹ کی اوپری جیب میں اٹکا، پیلا گلاب جو پہلی نظر میں ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتا تھا۔

اجنبی یہاں کم کم نظر آتے تھے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت بھانپ کے نووارد نے ہیٹ اتارا اور سر جھکایا۔

"کیسی ہو تم، کم عمر لڑکی؟"

وہ مسکرائی نہیں۔ بس سنجیدگی اور اچھنبے سے اس کو دیکھے گئی۔

بھورے بالوں والا وہ آدمی بہت سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہوگی۔ اور آنکھیں کسی کم عمر لڑکے جیسی جوان تھیں۔

"تمہارے بال کس نے کاٹے ہیں، ننھی لڑکی؟"

وہ اس کے سامنے گھاس پہ کھڑا تھا۔ پیچھے سورج ڈوب رہا تھا۔ پتھریلے قلعے کے سائے غائب ہو رہے تھے۔

تالیہ چپ رہی۔

"اچھے نہیں کاٹے۔" اس نے ہیٹ دوبارہ سر پہ جما لیا۔ تالیہ نے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو چھوا۔ وہ پہلے کی طرح لمبے نہیں تھے بلکہ کانوں سے ذرا نیچے تک باب کٹ کی صورت آتے تھے۔

''کیا تمہیں لمبے بال نہیں پسند؟''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور بولی تو آواز میں سادگی تھی۔

''ہم یتیم ہیں اور ہم خیرات پہ پلتے ہیں۔ جتنے لمبے بال' اتنا زیادہ شیمپو۔ یہاں سب کے بال چھوٹے ہوتے ہیں۔''

''اور تمہارے کپڑے؟'' وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔

''ہمارے کپڑے کبھی درست سائز کے نہیں ہوتے۔ لوگ اچھے کپڑے اور کھلونے کبھی خیرات میں نہیں دیتے' اَن چے (مسٹر)...؟''

وہ رکی اور ہچکچا کے گردن اٹھائی۔

''ذوالکفلی!'' وہ مسکرایا۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

''ذل... کِف... لی؟'' وہ مسحور سے توڑ توڑ کے دہرانے لگی۔ جیسے اس ویران کھنڈر قلعے میں کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

''ہاں۔ صرف ذوالکفلی۔ میں رائٹر ہوں اور یتیم خانے کی زندگی پہ ناول لکھ رہا ہوں۔ کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں؟'' اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''مسز ماریہ نے مجھے یتیم خانے کے ان کوارٹرز میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔'' اس نے قلعے کی اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں ٹاور کی سب سے اونچی کھڑکی تھی۔ ''لیکن یہاں کوئی ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا۔ تم کرو گی؟''

''ہوں۔'' اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''کل رات جب میں ادھر رہا تو... چے...؟'' وہ رکا۔ (مِس؟)

وہ تیزی سے بولی۔ ''تالیہ بنتِ مراد۔'' وہ مسکرایا۔ کیا سحر انگیز مسکراہٹ تھی اس کی۔

''چے تالیہ۔ بلکہ مجھے کہنا چاہیے۔ پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)....'' تالیہ کے گالوں پہ سرخی پھیلی۔ مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا پتری تالیہ.... رات جب میں یہاں رہا تو چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔''

''ہر رات آتی ہیں۔ یتیم خانے میں کبھی خاموش راتیں نہیں گزرتیں' اَن چے ذوالکفلی۔''

''مگر کل رات وہ لڑکا کیوں چیخ رہا تھا۔''

''کیونکہ جب بھی کوئی نیا شخص یتیم خانے میں آتا ہے۔ (اس کی نظریں ذوالکفلی کے چہرے پہ بہت مان سے جم گئیں۔) اور وہ ہم سے پیار سے بات کرتا ہے... تو ہمیں لگتا ہے وہ ہمارا فوسٹر فادر بن جائے گا۔ اور وہ ہمیں اس جگہ سے دور لے جائے گا۔ وہ ہمیں فیملی دے دے گا۔ اس نے بھی یہی سمجھا لیکن وہ لوگ جب اس کو پسند کیے بغیر چلے گئے تو وہ ساری رات روتا رہا۔''

''ویری سیڈ۔''اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ پھر نگاہ تالیہ کے کاغذ پہ پڑی تو قدرے چونکا۔

''کیا بنا رہی ہو تم؟''اس نے کاغذ لیا تو وہ مسکرا دی۔

''مجھے محل بنانا اچھا لگتا ہے۔''

''مگر مجھے محل میں رہنا اچھا لگتا ہے۔''وہ بے ساختہ بولا تو وہ دونوں ہنس دیے۔ قلعے کے اوپر شام کے سائے اب مزید گہرے ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

''اس کے....اس کے ہاتھ کیوں بندھے ہیں؟''وہ تکلیف کے باعث گھٹا گھٹا سا بول پائی۔سامنے بیٹھے فاتح نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم بھاگ جائیں' اس لیے انہوں نے ہمیں باندھ دیا ہے۔''

گھوڑا گاڑی پنجرہ لادے سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔اردگرد کھیتوں پہ رات چھاتی جارہی تھی۔

''ہم؟''اس نے چونک کے دہرایا۔حواس ذرا جاگے۔گردن جھکائی تو دیکھا۔گود میں رکھے اس کے اپنے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے اور وہ رسی اس کی گردن تک آ کر اسے مقید کیے ہوئے تھی۔پھر پیروں تک جاتی۔پیر تک بندھے تھے۔

اس نے بدک کے ہاتھ اوپر کھینچے مگر رسیوں کی گرفت مضبوط تھی۔

''ریلیکس بچے تالیہ....ہم کوشش کر چکے ہیں....یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''دور بیٹھا دھندلا سا نظر آتا ایڈم بولا تھا۔

وہ سنے بغیر مختل حواسوں کے ساتھ بار بار ہاتھ اوپر کھینچ رہی تھی.....

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سماعتوں میں صور پھونکے جارہی تھی.....

☆......☆......☆

ملاکہ شہر میں واقع یتیم خانے کا پتھریلا قلعہ دھوپ میں کھڑا دہک رہا تھا۔اندر ایک راہداری میں چند بچے چلتے جارہے تھے۔سب سے پیچھے وہ دونوں تھے۔ پیلے گلاب کو کوٹ کی اوپری جیب میں ٹکائے' سیاہ ہیٹ پہنے ذوالکفلی.....اور....اس کے ساتھ چلتی تالیہ۔

''آج سب خوش کیوں ہیں' پتری تالیہ؟''وہ سامنے چہکتے بچوں کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔

سرخ سیبوں جیسے موٹے گالوں والی تالیہ مسکرا کے بتانے لگی۔''کیونکہ ملاکہ کی کسی امیر فیملی کے بچے کی آج سالگرہ ہے۔جب امیر لوگوں کے بچوں کی سالگرہیں ہوتی ہیں نا' تو وہ یتیم خانے میں مٹھائی یا چاکلیٹ بھیجتے ہیں...یا ایک وقت کے چاول وغیرہ....بہت مزہ آتا ہے۔کاش امیر بچوں کی سالگرہیں روز ہوا کریں تاکہ ہمیں ان کے مال سے کچھ حصہ ملتا رہا کرے۔''

وہ آس سے بولی تو وہ راہداری کے درمیان رک گیا اور اس کی طرف گھوما۔وہ بھی بے ساختہ ٹھہر گئی۔

ذوالکفلی گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھے اس کی جانب جھکا اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''امیر لوگ بھی ہم جیسے ہوتے ہیں تالیہ....مگر وہ امیر اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا پیسہ لوٹتے ہیں۔ان کی دولت اصل میں ہماری ہوتی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' تالیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''کیونکہ جو ٹیکس ہم دیتے ہیں وہ قومی خزانے میں جاتا ہے۔امیر لوگ خزانے سے بہانے بہانے سے رقم نکلواتے ہیں۔کبھی پراجیکٹس کی صورت میں' کبھی بینکوں سے قرضے کی صورت میں۔امیر لوگ پھر وہ رقم کبھی واپس نہیں کرتے۔اسی رقم سے وہ اپنے بچوں کی سالگرہیں کرتے ہیں۔''

''یعنی ان کا پیسہ ہمارا ہوتا ہے؟''

''ہاں....اور اپنا پیسہ واپس لینا کوئی جرم نہیں ہوتا۔'' وہ سیدھا ہو گیا۔پھر مسکرایا۔ایک دم سے اس مسکراہٹ نے اس کے سنجیدہ تلخ چہرے کو ڈھانک دیا۔

''چلو اوپر چھت پہ چلیں۔میں ملاکہ کا نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی۔

''آپ کو چھت سے ہر وقت شہر دیکھنا کیوں پسند ہے'ان چے ذوالکفلی؟'' وہ افسوس سے بولی تھی۔وہ جواب میں کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں چلتے دور ہوتے جا رہے تھے....ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''تالیہ۔مت کرو۔رکو۔اسٹاپ اِٹ۔'' وہ اب کے جھڑک کے بولا تو وہ جو رسی مسلسل کھینچ رہی تھی ٹھہری....گردن اٹھا کے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا....

''یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' پلکیں جھپکائیں تو بصارت واضح ہوئی جیسے پانی گدلے شیشے کو صاف کر دے....جامنی اندھیرے میں فاتح کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں نہیں جانتا۔میں ان کی زبان نہیں سمجھتا۔'' وہ مدھم آواز میں بتانے لگا۔''انہوں نے ہمارے اوپر تلواریں تان لی تھیں۔''

''تو آپ لوگوں نے مزاحمت کیوں نہیں کی۔ایڈم کے پاس تو پستول بھی تھا۔'' وہ شاکی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔جیسے ان کی بہادری پہ شک ہوا ہو۔

''میں تو اس کو شوٹ کرنا چاہتا تھا مگر سر نے روک دیا۔'' ایڈم گلہ آمیز انداز میں بولا۔

''ایڈم نے آج تک ایک جیتا جاگتا انسان نہیں مارا' میں تم دونوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر

بولا۔اور پنجرے کی سلاخوں سے ٹیک لگالی۔سفید گدلی شرٹ کے آستین اوپر چڑھائے' مٹی لگے چہرے کے ساتھ' وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔اس کے ہاتھ پیر بھی ویسے ہی بندھے تھے۔

''اور جب میں نے ان کی گاڑی دیکھی تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔گاڑی کا مطلب تھا کہ وہ راستوں سے واقف ہیں۔میں ان کی زبان نہیں سمجھتا مگر وہ بار بار ایک ہی لفظ دہرا رہے تھے۔ملاکہ۔یقیناً یہ گاڑی ملاکہ شہر جا رہی ہے۔''

''اور آپ نے خود کو بندھوا کے جانوروں کی طرح اس پنجرے میں ڈالنے دیا ان کو۔کوئی مزاحمت نہیں کی؟'' وہ غصے سے بولی۔سر ابھی تک گول گول گھوم رہا تھا۔

''صرف اس لئے کہ وہ ملاکہ جا رہے تھے۔ان کو جنگل سے نکلنے کا راستہ معلوم تھا۔کیا تم بھول گئیں؟ Eyes on the Prize۔اور ہماری منزل ملاکہ ہے۔منزل پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔راستوں اور طریقوں پہ کر لیا جاتا ہے۔''

وہ بالکل چپ ہوگئی....پھر سر دھیرے سے سلاخوں سے ٹکا دیا اور نظریں باہر دوڑتے کھیتوں پہ جما دیں۔

چاند نکل آیا تھا اور کھیت اندھیرے میں چاندنی کے باعث مدھم مدھم سے نظر آ رہے تھے....

گھوڑوں کے قدم دھول اڑاتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے....

☆......☆......☆

قلعے کے باغیچے میں بہار کے ڈھیروں پھول کھلے تھے اور ان کی خوشبو گھاس پہ بیٹھے لوگ محسوس کر سکتے تھے۔

وہ گھاس پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی اور سامنے ہیٹ والا مسکراتا ہوا ذوالکفلی بیٹھا تھا۔

''اور کیا ہے وہ جادو جو آپ نے مجھے دکھانا تھا؟'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔انداز میں اعتماد اور انسیت تھی۔

''ہاں وہ...!! '' وہ مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔تالیہ آگے کو جھکی اور جب مٹھی باہر نکال کے کھولی تو اس میں ایک سکہ تھا۔

''یہ کھوٹا ہے' اور یہ دنیا والوں کے پاس کھوٹا رہے گا مگر جب یہ تمہارے ہاتھ میں آئے گا تو....''

تالیہ نے دلچسپی سے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ذوالکفلی نے سکہ اس کے ہاتھ پہ رکھا اور اس کی مٹھی بند کی۔اب ذوالکفلی کے ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر نیچے رکھے تھے۔پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تمہارے ہاتھ میں وہ کھوٹا نہیں رہے گا۔وہ تمہارے دل جیسا ہو جائے گا۔خوشبودار اور خوبصورت۔'' اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔

تالیہ نے بند مٹھی دھیرے سے کھولی۔

اندر سکہ نہیں تھا۔

اندر پیلا گلاب تھا۔

اس کی آنکھیں بے یقینی سے پوری کھل گئیں۔"یہ کیسے؟" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ گئے۔

"میں جادوگر ہوں، پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔" وہ آواز کو بھاری کر کے بولا تو وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں ہنس دی۔

"اور وہ سکہ کہاں گیا؟"

"تمہاری جیب میں۔"

تالیہ نے جلدی سے فراک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اندر سکہ واقعی رکھا تھا۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

"کیا آپ مجھے یہ جادو سکھا سکتے ہیں؟" وہ لجاجت سے بولی مگر ذوالکفلی گھڑی دیکھتے اٹھ رہا تھا۔

"مجھے ابھی چھت سے ڈوبتا سورج دیکھنا ہے۔ اس کے بعد۔"

"پلیز ابھی۔" وہ منت کرنے لگی مگر وہ مسکرا کے اپنا ہیٹ درست کرتا آگے بڑھ گیا۔

"سب کہتے ہیں ذوالکفلی صاحب یہاں تمہاری وجہ سے ٹھہرے ہیں۔" ایک کم عمر بچہ اس کے قریب آ کے بیٹھا اور دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔ تالیہ کا چہرہ مزید چمک اٹھا مگر بظاہر خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

"وہ ناول لکھ رہے ہیں، بس اس لیے ٹھہرے ہیں۔"

"نہیں۔ کل مسز ایگنیس بھی کہہ رہی تھیں۔ وہ ایسے بچے کو ایڈاپٹ کرنا چاہتے ہیں جن سے ان کی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔ وہ شاید تمہارے فوسٹر فادر بن کے تمہیں ایڈاپٹ کر لیں گے۔ تم لکی ہو تالیہ.... تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔" وہ سمجھداری سے کہہ کے اٹھ گیا تو وہ مسکرا کے پھر سے ان دونوں چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔

ایک کھوٹا سکہ اور ایک پیلا گلاب....

واؤ.... جسٹ واؤ۔

☆......☆......☆

رات گہری ہو رہی تھی اور گھوڑا گاڑی کی رفتار قدرے سست ہو گئی تھی۔ وہ ہنوز پنجرے کی سلاخوں سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ البتہ نیند اب پوری طرح کھل چکی تھی اور آنکھیں دور سڑک پہ جمی تھیں۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ اتنے تارے، اتنے تارے.... گویا سیاہ دوپٹے پہ افشاں انڈیل دی گئی۔

"اس دنیا میں سب کچھ ہمارے ملائیشیا سے مختلف ہے.... بس ایک ہوا ویسی ہی ہے...." وہ سڑک کو تکتے بولی۔

"آپ کی اطلاع کے لیے، چے تالیہ، ہوا بھی ویسی نہیں ہے۔"

"کیا؟" تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

''جب ساٹھ ستر سال پہلے امریکہ نے جاپان پہ ایٹم بم برسائے تھے تو وہ بم ساری دنیا کی فضا کو آلودہ کر گئے تھے۔یعنی ہمارے Planet ارتھ کی فضا میں' مٹی میں' پھلوں میں' ہر چیز میں ہلکا ہلکا سا Cesium-137 شامل ہو گیا تھا اور قیامت تک شامل رہے گا۔اس سے پہلے یہ قدرتی طور پہ فضا میں نہیں ہوتا تھا۔یعنی ابھی....'' ایڈم نے گہری سانس اندر کھینچی۔''ابھی فضا اس سے پاک ہے۔مگر ظاہر ہے' آپ کو کیا معلوم۔آپ کتابیں تھوڑی پڑھتی ہیں۔''

فاتح نے فوراً تالیہ کا چہرہ دیکھا (کوئی ردِعمل؟) مگر....خلافِ توقع اس نے برا نہیں مانا۔بس سر واپس سلاخوں سے ٹکا دیا۔

ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔جھٹکا اتنا زور کا تھا کہ تالیہ کا سر جھول کے دوبارہ سلاخوں سے آ ٹکرایا۔لبوں سے کراہ نکلی۔

گاڑی کی اگلی نشستوں سے کوئی جست لگا کے اترا اور پیچھے آیا۔سر پہ پٹی باندھے وہ سانولا سا آدمی تھا۔اس نے ان تینوں کو باری باری گھورتے ہوئے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ اندر بڑھایا جس میں تین رول سے تھے۔خوشبو بھی اچھی تھی۔ساتھ ہی اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔تالیہ کا ہاتھ سب سے پہلے بڑھا۔اس نے جلدی سے رول تھاما اور آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا۔روٹی جیسی چیز میں لپٹا قیمے جیسا آمیزہ۔

اس نے ندیدوں کی طرح دانت اندر گاڑھے۔گیلا بھی تھا جیسے کوئی ساس اندر لگی ہو۔مختلف سا ذائقہ تھا مگر مزیدار تھا۔اتنے دنوں کی محرومی جاگ اٹھی۔وہ جلدی جلدی کھانے لگی۔فاتح نے باقی دونوں رول تھامے اور ایک ایڈم کی طرف بڑھا دیا۔رسیاں سختی سے بندھی تھیں مگر لمبی تھیں۔وہ ہاتھ قدرے آگے پیچھے بڑھا سکتا تھا۔

اب وہ آدمی اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔فاتح نے قدرے اکتا کے اسے دیکھا۔

''وقت ضائع مت کرو' ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے۔''

''کیا تم ہمیں ملاکہ لے کر جا رہے ہو؟'' وہ لقمے سے بھرے منہ کے ساتھ ایک دم بولی۔

اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ....لہجہ....زبان....اس کے ساتھی مسافروں کے لیے اجنبی تھا۔وان فاتح نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ایڈم کا منہ کھل گیا۔وہ آدمی بھی چونکا تھا۔

''ہاں۔ہم ملاکہ جا رہے ہیں۔''

''مگر تم نے ہمیں باندھا کیوں ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے؟'' وہ رات کی تاریکی میں سلاخوں کے پار کھڑے آدمی سے نڈر انداز میں پوچھ رہی تھی۔فاتح بس اسے دیکھ رہا تھا۔رول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''ہم جانتے ہیں تم اپنے مالک کی قید سے بھاگے ہوئے غلام ہو۔ہم تمہیں وہاں لے کر جا رہے ہیں جہاں جانے کے تم حقدار ہو۔'' قدرے سختی سے بولا اور آگے بڑھ گیا۔اسکے بیٹھتے ہی گاڑی جھٹکے سے چل پڑی۔تالیہ کا سر پھر سے سلاخوں سے ٹکرایا تھا۔عین وہاں جہاں گومڑ تھا.....

☆......☆......☆

تیرہ سالہ تالیہ مراد سر جھکائے کرسی پہ بیٹھی تھی۔ میز کے پار کرسی پہ مسز ماریہ براجمان تھیں اور تالیہ کے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو دیکھ رہی تھیں۔

''بچے تالیہ!'' پولیس آفیسر اس کی طرف جھکے سنجیدگی سے مخاطب تھا۔

تالیہ نے ویران چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں ایسے خالی تھیں جیسے لٹے ہوئے لوگوں کا دل خالی ہو جاتا ہے۔

''مسز ماریہ نے بتایا ہے کہ سارے یتیم خانے میں سب سے زیادہ ذوالکفلی تم سے گھلتا ملتا تھا؟''

تالیہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اب تک تم جان ہی چکی ہو گی کہ وہ ایک جھوٹا مکار شخص تھا۔ ایک کون آرٹسٹ۔ ایک چور۔'' وہ بے رحم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ ''وہ کوئی رائٹر نہیں تھا۔ وہ جعلی کاغذات پہ ادھر آیا اور اوپر ٹاور سے وہ سامنے والی عمارت کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ جہاں ایک آرٹ آکشن (نیلامی) ہونی تھی۔''

تالیہ نے پھر سے سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ معنی کھو چکے تھے۔ ذوالکفلی کے غائب ہونے کے بعد ساری دنیا جیسے اندھیر ہو گئی تھی۔

''کل رات اس نے نیلامی پہ ایک قیمتی ہیرا چرا لیا ہے۔ اور اب وہ غائب ہو چکا ہے۔ میں جانتا ہوں اس نے تمہیں امید دلائی ہو گی کہ وہ تمہیں ایڈاپٹ کرلے گا مگر وہ ایک اسکامر تھا' تالیہ۔''

''اس نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''بہرحال.... ہم نے اس کو گرفتار کرنا ہے.... کیا تم ہماری مدد کرو گی؟''

تالیہ نے ایک نظر مسز ماریہ کو دیکھا۔ پھر آفیسر کو۔ ''میں کیا کرسکتی ہوں؟''

''ہمارے پاس اب تک ذوالکفلی کی ایک بھی تصویر نہیں ہے۔ مسز ماریہ کا کہنا ہے کہ تم اسکیچ بنانے میں ماہر ہو۔ کیا تم اس کا اسکیچ بنا سکتی ہو یا ہمارے اسکیچ آرٹسٹ کی مدد کرسکتی ہو؟''

وہ چند ثانیے اس کو دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے ایک کاغذ اٹھایا۔ پین ہولڈر سے قلم نکالا اور سر جھکائے قلم کاغذ پہ رگڑنے لگی۔ پولیس آفیسر نے گہری سانس لے کر ٹیک لگالی اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ کام آسان ہو گیا تھا۔

''کیا اس نے کسی کو نقصان پہنچایا تھا؟ کسی کی جان لی تھی؟'' وہ تیزی سے قلم چلاتے سر جھکائے بولی۔

''نہیں مگر وہ چور تھا۔ اس نے ہیرا چرایا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے مسز عثمان کے لئے۔''

''مسز عثمان وہی جن کی پوتی کی سالگرہ پہ یتیم خانے میں کھانے کے ڈبے آتے ہیں؟''

''ہاں' وہی' تالیہ۔'' مسز ماریہ نے تائید کی۔ وہ خاموشی سے اسکیچ بناتی گئی۔ پھر سر اٹھایا اور کاغذ اس کے سامنے کیا۔ آفیسر نے غور

سے اسے دیکھا اور مسز ماریہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ذوالکفلی سے کم لوگ ہی ملے تھے۔ وہ عموماً کمرے میں رہتا تھا اس لیے یتیم خانے میں زیادہ لوگوں نے اسے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اگر مسز ماریہ آپ تصدیق کر دیں کہ یہ وہی آدمی ہے تو مجھے دوبارہ یتیم خانے کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے۔"

مسز ماریہ نے "شیور" کہتے ہوئے مسکرا کے کاغذ تھاما' پھر اس پہ نظر ڈالی تو مسکراہٹ سمٹی۔ وہ ایک موٹے' بھدے آدمی کا چہرہ تھا۔ ناک' آنکھیں' سب کچھ جدا تھا۔ انہوں نے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ انہی کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔

"کیا یہی ذوالکفلی ہے' مسز ماریہ؟" آفیسر نے پھر سے کلائی کی گھڑی دیکھ کے عجلت میں پوچھا۔

"سر...جب میں دو سال پہلے یتیم خانے میں آئی تھی تو میری کلائی میں ایک بریسلیٹ تھا...سونے کا...مگر پھر وہ..." تالیہ ایک دم سادگی سے کہنے لگی....اس سے پہلے کہ آفیسر اس کی طرف متوجہ ہوتا' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔

"جی یہی ہے وہ۔" اور تیزی سے کاغذ واپس بڑھایا۔ رنگت قدرے پھیکی پڑی تھی۔

"شکریہ۔" اس نے کاغذ تھاما اور تالیہ کو دیکھا۔ "تمہارے بریسلیٹ کا کیا؟"

تالیہ نے ایک چبھتی ہوئی نظر مسز ماریہ پہ ڈالی جو حیران بھی تھیں اور پھیکی بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر ذرا سا مسکرائی۔ "میں کہہ رہی تھی کہ میرا بریسلیٹ.... بالکل آپ کی گھڑی جیسا لگتا تھا۔ اتنا ہی خوبصورت۔"

ماریہ کے لبوں سے بے اختیار سکون بھری سانس خارج ہوئی۔ اف۔

"اوکے۔" آفیسر رسماً مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ذوالکفلی کی تصویر دکھا کے مزید ہمارے لوگوں کو ہراساں نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر بات پھیل گئی کہ تالیہ نے تصویر بنائی ہے یا تصویر ہماری طرف سے آپ کو ملی ہے تو ذوالکفلی یا اس کے ساتھی ہمیں جانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں' مسز ماریہ۔ ہم دوبارہ آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔" وہ اب شکریہ ادا کر رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد آفس میں کتنی ہی دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر تالیہ اٹھ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"تم نے ذوالکفلی کو کیوں بچایا؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ "وہ ایک چور ہے۔"

ننھی لڑکی مڑی اور سپاٹ نظروں سے ان کو دیکھا۔ "یہاں کون چور نہیں ہے؟"

مسز ماریہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ تالیہ بنتِ مراد اب باہر جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازرات کے مقدس سناٹے کو چیر رہی تھی۔ اس کے سر کا گومڑ پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ مگر وہ پرواہ کیے بنا

مرغوبیت سے اس رول کو کھا رہی تھی۔

''تم ان کی زبان بول سکتی ہو۔'' فاتح ابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ منہ لقمے سے پھولا ہوا تھا۔ (یہ وہ نزاکت سے ٹیبل پہ چھری کانٹے سے کھانے والی سوشلائیٹ نہیں تھی جو ایک رات عصرہ، اشعر اور اس کے ساتھ ان کے ڈائننگ روم میں کھانا کھاتے ہوئے گھائل غزال کی بات کر رہی تھی۔)

''مگر کیسے؟''

''کیونکہ....'' لقمے کے باعث آواز پھنسی پھنسی نکلی۔ ''میں گیارہ سال اسی ملاکہ میں بڑی ہوئی تھی۔ زبان آتی ہے مجھے اور ہاں.... وہ کہہ رہا تھا کہ شاید ہم بھاگے ہوئے غلام ہیں۔''

''مگر تمہاری یادداشت تو کھو گئی تھی۔ تمہیں زبان کیسے یاد رہ گئی۔''

''پتہ نہیں۔'' تالیہ نے کندھے اچکائے اور تیزی سے کھانے لگی۔

''کیونکہ سر....'' ایڈم کھنکھار کے بولا۔ رول اس کے ہاتھ میں بھی تھا مگر وہ ذرا تہذیب سے کھا رہا تھا۔

''یادداشتیں اور علوم ایک جگہ دماغ میں اسٹور نہیں ہوتے۔ گوکہ ابھی تک اس کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی کہ اکثر یادداشت کھو جانے والے لوگوں کو اپنی زبان اور بہت سی عام معلومات کیسے یاد رہ جاتی ہیں، مگر شاید اس لئے کہ ان کے ذہن کا وہ حصہ متاثر ہوتا ہے جہاں ان کی یادیں ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جہاں معلومات ہوتی ہیں۔ آپ کھا کیوں نہیں رہے سر؟'' کہتے ہوئے وہ اپنا رول لبوں تک لے گیا اور لقمہ دانتوں سے توڑا۔

فاتح نے جواب میں سوچتی نظروں سے اس رول کو دیکھا۔ ''اس میں گوشت ہے۔''

''ملاکہ مسلمان ملک ہے، سر۔ یہ حلال ہوگا۔ ویسے بھی اس حالت میں سب جائز ہوتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ گوشت ہر دور میں ایک قیمتی غذا رہی ہے۔ اور ان لوگوں نے ہمیں قیدی بنایا ہے۔ قیدیوں کو اتنی اچھی غذا کون دیتا ہے؟'' وہ سوچ میں ڈوبا تھا۔

مگر وہ دونوں اس کی بات پہ غور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا اپنا کھانا کھا رہے تھے۔

رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی.....

☆......☆......☆

یتیم خانے کے قلعے کا باغیچہ آج رنگوں اور روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے غبارے بکھرے تھے۔ ایک جانب اسٹیج تھا جہاں تقریبِ تقسیمِ انعامات ہو رہی تھی۔ چند مشہور سوشل ورکر خواتین.... سجی سنوری امیر بیگمات.... اور سوٹڈ بوٹڈ اصحاب کرسیوں پہ براجمان تھے۔

مسز ماریہ بھی ایک کرسی پہ براجمان مسکرا رہی تھیں۔ سامنے بچے قطاروں میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سب اچھے سے تیار ہوئے تھے۔ (یتیم خانے کے بچے کم عمری میں ہی خود تیار ہونا سیکھ لیتے تھے کیونکہ ان کو کوئی تیار کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔) چند بچے اسٹیج پہ قطار میں کھڑے تھے۔ ایک ایک کر کے آگے آتے' اور زیورات سے سجی خاتون سے انعام وصول کر کے اسٹیج سے اتر جاتے۔

مسز ماریہ کی نگاہ قطار میں تیسرے نمبر پہ کھڑی تالیہ پہ پڑی تو مسکراہٹ ذرا سمٹی۔ وہ بالوں کی پونی بنائے' خاموش سی کھڑی تھی۔ ذوالکفلی کے جانے کے بعد سے وہ چپ چپ رہنے لگی تھی۔ اور اگر کبھی مسز ماریہ سے سامنا ہو جاتا تو ان کو یوں دیکھتی کہ ان کو نگاہ چرانی پڑتی۔ بات صرف بریسلیٹ کی نہیں تھی۔ کوئی بھی بچے کی بات نہ مانتا۔ بات اپنے دل کے چور کی تھی۔ انہوں نے پھر سے نگاہ چرا لی۔

سامنے والے دونوں بچے ہٹے تو تالیہ کی باری آئی۔ خاتون نے مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا اور میز پہ رکھا کھلونے کا ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ بس نظریں اٹھا کے ان کو دیکھا۔

''کیا مجھے وہ والا نہیں مل سکتا؟'' اس نے انگلی سے ایک دوسرے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ خاتون کی مسکراہٹ سمٹی' مگر پھر.... اسٹیج پہ بیٹھے اپنی طرف متوجہ لوگوں کو دیکھا.... اور کیمرہ مین کو جو تصاویر بنا رہا تھا۔ جلدی سے سنبھل کے مسکرائیں اور ''کیوں نہیں'' کہہ کے ایک دوسرا ڈبہ اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔

تالیہ نے بہت شوق سے وہ ڈبہ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ نیچے اپنی سیٹ پہ جاتے ہی اس نے وہ ڈبہ کھولا۔ اندر تیر کمان تھی۔ کھلونے والی کمان جو اچھی کوالٹی کی تھی اور چند تیر۔ اس نے بہت محبت اور اپنائیت سے اس پہ ہاتھ پھیرا۔ اس سے متعلق کوئی یاد ذہن کے کسی گوشے میں موجود نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اتنا اپنا اپنا سا لگتا تھا کہ....

آگے جو ہوا وہ خود ہی ہوا۔

اس نے خود کو تیروں کا ترکش کمر پہ پہنتے دیکھا۔ پھر کمان سیدھی کر کے تیر اندر لگایا اور اسٹیج کے کونے میں لگے غباروں کی طرف نشانہ باندھا.... وہاں گیس والے غبارے ایک ساتھ بندھے تھے جیسے.... غباروں کا گلدستہ ہو۔ اس نے کھینچ کے تیر چلا دیا۔

تیر زن سے اڑتا ہوا عین اس جگہ لگا جہاں غباروں کے دھاگوں کا جوڑ تھا۔ چیخنے کی آواز آئی اور غبارے غول کی صورت فضا میں بلند ہوئے۔

لوگوں نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ گردنیں مڑیں۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ترکش سے تیر نکال کے ایک کے بعد ایک فضا میں نشانے پہ چلا رہی تھی۔ فضا میں اڑتے غباروں کو باری باری تیر لگ رہے تھے۔ وہ 'ٹھاہ.... ٹھاہ' کی آوازوں کے ساتھ پھٹنے لگے۔ مگر تالیہ نہیں رکی۔ ہاتھوں میں کوئی جنون سا در آیا تھا۔

بچے چیخیں مارتے اٹھ گئے۔ اسٹیج پہ بھی ہلچل مچ گئی۔ مگر وہ تاک تاک کے فضا میں اڑتے غباروں کا نشانہ لیتی ان پہ تیر برسا رہی

تھی۔کوئی تیر خطا نہیں جارہا تھا۔

غبارے پٹاخوں کی آواز کے ساتھ پھٹتے جارہے تھے۔

زور سے مسز ماریہ نے اس کے ہاتھ سے کمان کھینچا اور ایک زناٹے دار تھپڑا سے رسید کیا تو وہ ہوش میں آئی....اور ادھر ادھر دیکھا۔ حیرت اور خوف سے دور ہٹے بچے....اسٹیج پہ کھڑے لوگ....کیمرہ مین دھڑا دھڑ تصویریں اتار رہا تھا۔وہ ایک دم ڈری سی گئی۔جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔مسز ماریہ برہمی اور بے یقینی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

اس لمحے انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس لڑکی کو وہ مزید اپنے یتیم خانے میں برداشت نہیں کرسکتیں۔انہیں جلد از جلد اس کو ایڈاپٹیشن کے لئے دینا ہوگا۔انہیں اس سے چھٹکارا چاہیے تھا۔

یہ لڑکی سحر زدہ تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی تاریک راستے پہ تیز دوڑ رہی تھی۔فاتح اکڑوں بیٹھا تھا' اور بندھے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے تھے۔رول وہ کھاچکا تھا مگر سوچ میں ڈوبا تھا۔باقی دونوں بھی خاموش تھے۔ایسے میں وہ بار بار اپنے بندھے ہاتھ جیب تک لے جانے کے لئے اٹھاتا' پھر ٹھہر جاتا۔نہ ہاتھ وہ جیب تک لے جا سکتا تھا' نہ جیب میں وہ بٹوہ تھا جس کے اندر جھانکنے کی تڑپ اس کی عادتوں میں شامل تھی۔ جانے وہ کہاں گر گیا تھا۔

تالیہ ہنوز سلاخوں سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ایڈم باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اب ہم نے کیا کرنا ہے؟''اس نے یکسانیت سے اکتا کے سوال پوچھا تو تالیہ نے چہرہ موڑا۔اس کی آنکھیں سپاٹ سی تھیں۔

''ہم نے شہزادی تاشہ کو ڈھونڈنا ہے۔اور وہ ہمیں میرے بابا پا تک لے جائے گی۔''

''مگر چے تالیہ....ہم اس وقت قید میں ہیں۔''اس نے جتا کے یاد کرایا۔

''اب نہیں رہیں گے۔'' کہتے ہوئے وہ سیدھی ہو بیٹھی اور بندھے ہوئے ہاتھ سامنے اٹھائے۔پھر کلائیوں کو موڑنے لگی۔ایڈم کی نظروں میں اچنبھا ابھرا۔

''رسیاں پکی بندھی ہیں....یہ چوڑیاں نہیں ہیں جن سے آپ کلائیاں نکال لیں۔''

تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔''میں کے ایل کی سب سے ماہر چور اسی لئے ہوں کیونکہ مجھے اپنے ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے نکالنے کا فن آتا ہے۔''وہ ایک مخصوص زاویے پہ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے موڑے جارہی تھی۔

فاتح نے ستائش سے ابرو اٹھائی۔''میں نے سن رکھا تھا کہ ایسے ٹرکس ہوتے ہیں مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ حقیقت میں ممکن ہے۔

پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ کس سے سیکھا تم نے یہ؟“

اس نے نظریں اٹھا کے فاتح کو دیکھا۔ ”ایک جادوگر سے۔“ اس کے ہاتھ مسلسل رسیوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسی کلائی کی جلد کو چھیل رہی تھی۔ خون بہہ رہا تھا مگر ہاتھ اندر ہی اندر مڑ کے چھوٹا ہو رہا تھا۔ گویا پٹھے خود کو اکٹھا کر لینے کے عادی تھے۔

☆......☆......☆

وہ لاہور کی ایک اَپر کلاس کالونی تھی جہاں قطار میں چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے تھے۔ تیسرے نمبر کے بنگلے کے اندر کچن میں آؤ تو اونچی سیاہ پونی والی تالیہ سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ وہ بیس اکیس برس کی تھی مگر کافی موٹی اور گول مٹول۔ شلوار قمیص پہنے دوپٹہ سائیڈ پہ باندھے وہ مگن سی کھلے نل تلے آخری برتن کھنگال رہی تھی۔ پھر اسے ٹوکری میں رکھا' تولیے سے ہاتھ پونچھے' چولہا بند کیا اور باہر نکل آئی۔

صوفے پہ فربہی مائل ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا اور وہ فون کان سے لگائے کسی سے محوِ گفتگو تھیں۔ تالیہ جس پل اندر آئی' انہوں نے اسی وقت فون رکھا۔

”کھانا پک گیا؟“

”جی امی۔ کچن بھی صاف ہو گیا ہے۔“ وہ صاف اردو میں بات کر رہی تھی۔ ”ناشتہ ٹیبل پہ لگا دیا ہے' اور دادا جی کو ان کے کمرے میں ناشتہ ابھی دے آتی ہوں (شہناز بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے بہر حال خاموش رہیں۔) پھر میں کالج چلی جاؤں گی۔“ پھر ہچکچا کے رکی۔

”امی....کالج کا ٹرپ جا رہا ہے مری' دو دن کے لئے۔ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔“

انہوں نے گردن پوری گھما کے اسے دیکھا۔ ”میرے پاس ان فضولیات کے لئے پیسے نہیں ہوتے تالیہ۔ شفقت صاحب کتنی محنت سے کماتے ہیں' ہماری دو بیٹیاں ہیں جن کی ہم نے شادی کرنی ہے۔ اگر یونہی جمع پونجی خرچ کر دیں گے تو شادیاں کہاں سے کریں گے؟“

”مگر مناہل اور زیمل بھی تو پچھلے ہفتے ٹرپ پہ گئی تھیں' ارسل بھی جاتا ہے۔ اور ان کے ٹرپ تو مہنگے والے ہوتے ہیں۔“

”کیونکہ ان کا کالج مہنگا والا ہے۔ تم سرکاری کالج میں پڑھتی ہو' اس لئے اپنی چادر دیکھ کے پاؤں پھیلایا کرو۔“ ناک سکوڑ کے سر جھٹکا اور ریموٹ اٹھا لیا۔

وہ چند لمحے چبھتی نگاہوں سے ان کو دیکھتی رہی۔ وہ ابھی سو کے اٹھی تھیں اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ ٹی وی پہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے بار بار جمائی بھی روکتی تھیں۔ تالیہ سے مکمل بے زار۔

”میں ایک فرینڈ سے ادھار لے کے چلی جاؤں؟“

”میری بلا سے جو بھی کرو۔“ انہوں نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ سر کو خم دے کر وہاں سے چلی آئی۔

اوپر آ کے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اس نے بڑے بیڈروم کا دروازہ کھولا جو شہناز اور شفقت صاحب کا تھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا۔ اس کے فوسٹر فادر آفس جا چکے تھے اور شہناز رات کا ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ڈرامہ دیکھنے سے پہلے ٹی وی کے سامنے سے اٹھنے والی نہ تھیں۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور اسٹڈی شیلف کے سامنے رکی۔ تیسرا دراز کھولا۔ اندر ایک خفیہ خانہ تھا۔ تالیہ نے اسے کھولا۔ چابی نکالی۔ پھر ڈریسنگ روم میں آئی اور آخری الماری میں چابی لگائی۔ دروازہ کھل گیا۔

اندر ایک دراز میں نوٹوں کی گڈیاں رکھی تھیں۔ اس نے بینک کے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھائی جو پورے ایک لاکھ کی تھی۔ مہارت سے Staple کی پن اتاری' چند نوٹ درمیان سے نکالے' اور پھر اسٹڈی ٹیبل کے دراز سے بڑا اسٹیپلر نکالا۔ گڈی کو دوبارہ اسٹیپل کیا اور احتیاط سے واپس رکھ دیا۔ کوئی بھی ثبوت چھوڑے بنا وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور پیسے چھپا دیے۔

(جاؤں گی تو میں ضرور۔ ہونہہ)

کچھ دیر بعد وہ نیچے دادا جی کے کمرے میں ان کو ناشتہ کروا رہی تھی۔ وہ نحیف اور کمزور سے تھے۔ سر کے سارے بال سفید تھے۔ بستر پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹول پہ بیٹھی' چائے پرچ میں ڈالتی' اور ان کے لبوں کے قریب لے جاتی۔ وہ گھونٹ بھرتے۔

"تالیہ!" مسکرا کے اسے اپنی بوڑھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگے۔ "تم میری سگی پوتی نہ ہو کر بھی میری کتنی خدمت کرتی ہو۔"

"رئیلی دادا جی.... یہاں اس گھر میں کوئی اپنی بات مجھے ایڈاپٹڈ ہونے کا احساس دلائے بغیر کیوں نہیں ختم کر سکتا؟" وہ ہنس کے بولی اور پھر سے چائے پرچ میں انڈیلنے لگی۔

"تم اس گھر میں خوش نہیں ہو نا؟"

"آپ خوش ہیں؟" انہوں نے گہری سانس لی اور چھت کو دیکھنے لگے۔

"میں گلہ نہیں کر سکتا۔ شفقت کا باپ ہوتا تو اس کا حق تھا کہ وہ میری خدمت کرتا۔ لیکن میں اس کا چچا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے گھر رکھا ہوا ہے یہی بہت ہے۔"

"آپ نے تین دکانیں جو ابا کے نام کر دی تھیں۔ اب بھی وہ نہ رکھتے آپ کو۔" اس نے چائے سے بھری پرچ ان کی طرف بڑھائی مگر وہ اب سیر ہو چکے تھے۔

"پیسے سے خوشی نہیں خریدی جا سکتی۔"

"کبھی کسی محل میں رہنے والے کو اداس دیکھا ہے آپ نے؟" اس نے پرچ اور پیالی پرے رکھ دی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ کالج کی بس میں ابھی وقت تھا۔ وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

"تمہیں محل اچھے لگتے ہیں نا؟"

"بہت زیادہ' دادا جی۔" آنکھیں میچ کے اس نے جیسے مزہ لیا۔ "میرا دل چاہتا ہے ایک دن میں نیند سے جاگوں تو سامنے ایک سڑک ہو... ایک طرف سمندر ہو... اور سیدھ میں سڑک اوپر ایک پہاڑی تک جاتی ہو... اس پہ ایک محل بنا ہوا اور وہ میرا ہو... دیکھئے گا دادا جی... تالیہ ایک دن میں بہت امیر ہو جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ بولے تو وہ چونکی۔ عموماً وہ اس کی ان باتوں پہ تبصرہ نہیں کرتے تھے۔ آج کچھ مختلف تھا۔

"کوئی بات ہے دادا جی؟" اس نے ٹھٹک کے ان کا چہرہ دیکھا۔ انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تالیہ... میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' آج ہوں' کل نہیں' اس لئے..."

"آپ اب کیا فلموں کی طرح مجھے اپنی وصیت بتانے لگے ہیں؟" وہ پھر سے ہنس دی۔ وہ نہیں ہنسے۔ سنجیدہ رہے۔

"یاد ہے کافی عرصے پہلے میں نے تمہیں ایک علاقے میں ایک پلازہ دکھایا تھا جس میں بارہ دکانیں تھیں؟ جب تم مجھے وہیل چئیر پہ وہاں لے گئی تھیں؟"

"جی' مجھے یاد ہے۔ کیوں؟"

"وہ سارا پلازہ میرا ہے۔ ان دکانوں کا مالک میں ہوں۔"

تالیہ مراد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ چند لمحے شل رہی' پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"ابا جی کو یہ بات نہیں معلوم' دادا جی؟"

"میں مرتے وقت وہ اس کو دینا چاہتا تھا' ان کا کرایہ میرے اکاؤنٹ میں آتا ہے۔ میرا رشتے کا پوتا جبران ان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مگر اب میں وہ پلازہ شفقت کو نہیں دینا چاہتا۔ میں وہ..." اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔ "تمہیں دینا چاہتا ہوں۔"

تالیہ کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ سانس تک بند ہو گیا۔

"دادا جی..."

"ابھی اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ جبران آئے گا تو میں اس سے قانونی کاروائی کا کہوں گا۔ وہ خاموشی سے تمہارے نام ہو جائے گا اور جب تمہاری شادی ہو گی تو تم اس کو بیچ کے اپنی مرضی کا محل خرید لینا کیونکہ میرا دل کہتا ہے' کہ ایک دن ہماری تالیہ کسی محل میں راج کرے گی۔"

وہ یک ٹک ان کو دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے.....

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی.... پنجرے میں بیٹھی تالیہ مسلسل کلائیوں کو گھما رہی تھی۔ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے وہ خاص زاویے پہ ان کو مروڑ کے رسی کو چوڑی کی طرح اوپر دھکیل رہی تھی۔ خون آلود ہاتھ دھیرے دھیرے باہر نکل رہا تھا۔

فاتح افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے زخمی ہاتھوں کو نہیں.... اس کے چہرے کو.... جہاں کوئی عجیب سا خالی پن تھا.... شاید وہ ماضی کی کسی یاد میں گم تھی.....

☆......☆......☆

چھوٹے سے بنگلے میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔ کچن میں کھڑی تالیہ نے دوپٹہ سر پہ اوڑھ رکھا تھا اور دادا جی کے لئے دلیہ نکال رہی تھی۔ امی صبح ہی سلور کے پیالے لائی تھیں اور حکم ملا تھا کہ چینی کے برتنوں میں دادا جی کو کھانا نہیں دینا' مبادا وہ ٹوٹ نہ جائیں۔ خیر' یہ چاندی کے برتن بھی پیارے تھے۔ قیمتی اور خوبصورت۔

تالیہ نے مسکرا کے دلیہ ان میں نکالا' چمچ' پلیٹ ساتھ ٹرے میں سجائی اور ٹرے اٹھائے باہر چلی آئی۔ لاؤنج کے پرلے کونے پہ دادا جی کا کمرہ تھا' اور خلافِ توقع آج امی اور ابا وہیں موجود تھے۔ دادا جی کا بھانجا جبران بھی آیا ہوا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی' سب کو سلام کیا' ایک نظر سارے پہ دوڑائی (امی کا بے چین انداز.... ابا کی خاموشی.... پرسکون اور قدرے خوش بیٹھے دادا جی۔ آج کل امی' ابا اکثر دادا جی کے پاس جا بیٹھتے تھے' اور دادا جی کے ان سے گلے دور ہوتے جا رہے تھے۔ جبران بھی ساتھ ہی بیٹھا تھا۔)

اس نے خاموشی سے پیالہ دادا جی کی سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تو امی فوراً بولیں۔

''تم جاؤ' جبران کھلا دے گا۔''

''جی اچھا۔'' تالیہ نے بس مسکرا کے دادا جی کو دیکھا' وہ بھی جواباً مسکرائے اور سر کو خم دیا۔ وہ واپس پلٹ آئی۔ مگر ذہن میں کچھ کھٹک رہا تھا۔ (جبران کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟ کل بھی وہ لان میں امی کے ساتھ بیٹھا تھا جب میں ٹیوشن سے آئی تھی۔ کوئی تو بات ہے۔)

وہ کچن میں آئی اور چوکی پہ بیٹھ کے ہتھیلی گال تلے رکھے سوچے گئی۔ (کیا تھا جو اسے کھٹک رہا تھا؟)

قریباً پندرہ منٹ گزرے تھے کہ ابا کی گرج دار آواز سنائی دی۔ ''تالیہ.... تالیہ۔'' وہ ایک دم ڈر گئی۔ پھر بھاگی بھاگی اندر گئی۔ دروازہ کھولا تو.... ان سب کے چہرے ویسے نہ تھے جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔ ابا غصے سے سرخ تھے تو امی کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھیں.... اور دادا جی.... ان کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں میں آنسو۔

''کیا ہوا؟'' وہ ہکلائی۔

''یہ دلیہ تم نے بنایا ہے نا؟'' امی چمک کے بولی تھیں۔ اس نے جلدی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”جی....کیا اچھا نہیں بنا؟“ اس کی نظریں دادا جی کی آنکھوں پہ ٹکی تھیں۔

”اچھا؟ ارے اس میں زہر ملا ہوا ہے۔“ انہوں نے پیالے سے چاندی کا چمچ نکال کے سامنے لہرایا۔

”زہر؟“ تالیہ کا سر گھوم گیا۔

”وہ تو شکر ہے میں نے صحت کے پیشِ نظر گھر میں چاندی کے برتن استعمال کروانے شروع کیے۔ اللہ نے ابا جی کی زندگی بچانی تھی، سوہم نے وقت پہ دیکھ لیا کہ سارا پیالہ اور چمچ سیاہ پڑ رہا ہے۔ ایسا صرف تب ہوتا ہے جب زہر چاندی کے چمچ کو چھو جائے۔“

وہ چوکھٹ پہ کھڑے کھڑے پتھر بن گئی۔ ایک نظر اس پیالے کو دیکھا جو واقعی سیاہ پڑ رہا تھا۔ آدھا دلیہ زمین پہ گرا ہوا تھا۔ اور پھر مری مری نظروں سے دادا جی کو دیکھا۔ ”مجھے نہیں پتہ یہ کیسے ہوا۔ میں نے خود دلیہ بنایا ہے، کسی نے کیسے اس میں کچھ ڈال دیا۔“

”کسی نے نہیں، تم نے ڈالا ہے۔“ ابا جی غصے سے چلائے تھے۔

”تالیہ....!“ دادا جی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔ ”تالیہ....تم چاہتی تھیں....میں جلدی مر جاؤں؟ اتنی جلدی کیا تھی بیٹے؟“ وہ سارے حساب کتاب کیے بیٹھے تھے۔ پندرہ منٹ سے عدالت لگی تھی اور ساری تفتیش مکمل ہو چکی تھی۔ دادا جی کو یقین دلایا جا چکا تھا۔ ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے۔

اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ رنگت سفید پڑ گئی۔ بے یقینی سے ان کو دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

”میں نے نہیں کیا یہ....دادا جی....میں ایسے کیوں کروں گی؟“ گلا رندھ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے چوکھٹ پکڑ لی۔ چکر سے آ رہے تھے۔

امی اس کو جواب میں گالیاں دینے لگی تھیں۔ لے پالک، جانے کس نیچ خاندان کی تھی وہ۔ ابا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پولیس بلا لی ہے۔ ان کی رشتے دار خاتون سب انسپکٹر بس آنے ہی والی ہوگی اور وہ تالیہ سے سارا معاملہ اگلوا لے گی۔

مگر وہ بھاگی نہیں۔ وہ چوکھٹ کو پکڑے کھڑی بے یقینی سی تھی۔ جبران بالکل چپ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

”دادا جی....میں نے یہ نہیں کیا۔ میرا یقین کریں۔ یہ سب مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔“ وہ بار بار ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔

دادا جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے چہرہ پرے پھیر لیا۔ جبران نے ان کا ہاتھ تھاما تو انہوں نے جواب میں زیادہ سختی سے جبران کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خون، خون ہوتا ہے۔ وہ اپنوں پہ زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ اپنے جیت گئے تھے۔ تالیہ کا دل پھر سے کچلا گیا۔

”میں نے یہ نہیں کیا۔“ وہ زور سے چیخی۔ ”یہ سب آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جبران نے ان کو دکانوں کا بتا دیا ہے۔ دادا جی یہ آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔“

وہ بھاری بھرکم عورت پیچھے سے آئی تھی۔ تھانیدارنی۔ اور اب وہ اس کو پیچھے کھینچ رہی تھی۔ حوالات کی باتیں کر رہی تھی....مگر وہ

کچھ نہیں سن رہی تھی، وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتی ہوئی چلا رہی تھی۔

''اللہ گواہ ہے، میں نے یہ نہیں کیا۔ دادا جی میری طرف دیکھیں۔ دادا جی میری بات سنیں۔ دادا جی میں آپ کی تالیہ ہوں۔ میں آپ کو فجر پہ وضو کروانے آتی ہوں۔ میں آپ کو آدھی آدھی رات کو پانی پلانے آتی ہوں۔ دادا جی میں آپ کی واحد فیملی ہوں۔ آپ میری واحد فیملی ہیں۔ میری بات تو سنیں۔'' وہ اب رو رہی تھی مگر وہ عورت اسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔ اس نے چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جما رکھے تھے ...ناخن لکڑی پہ گاڑھ دیے تھے۔ کھینچنے اور گھسیٹنے کے باعث وہ چوکھٹ سے رگڑتے نشان چھوڑ گئے ...کچھ ناخن ٹوٹ گئے ....انگلیوں سے خون رسنے لگا مگر وہ چلائے جا رہی تھی....

''دادا جی....میری طرف دیکھیں تو سہی....دادا جی....''

☆......☆......☆

زخمی ہاتھ ایک جھٹکے سے رسیوں کی قید سے آزاد ہوئے تھے۔ اس نے وحشیانہ انداز میں رسی پرے پھینکی، پھر گردن سے رسی کا طوق نکالا، اور تیزی سے پیروں کے گرد سے گانٹھیں کھولنے لگی۔ پیر آزاد کرتے ہی وہ فاتح کی طرف بڑھی۔

''پہلے ایڈم۔'' اس نے فوراً اسے روکا۔ اور وہ رک گئی۔ فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا اور ایڈم کی طرف آئی۔ ایڈم انکار کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ فوراً اپنے ہاتھ آگے کر دیے۔ البتہ خود دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس وقت تالیہ کی خوش گفتاری سننے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ چھوٹا اور سادہ سا کمرہ تھا۔ تالیہ کا کمرہ۔ اس بھاری بھرکم عورت نے اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی اور تالیہ کو کرسی پہ بٹھا کے اس کے ہاتھ دوپٹے سے پیچھے باندھ دیے تھے۔ میز پہ قلم کاغذ رکھا تھا۔ تالیہ کا سر جھکا تھا اور وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ عورت آگے آئی اور اس کا چہرہ زبردستی اوپر اٹھایا۔

''شکر کرو شفقت بھائی نے مجھے گھر پہ بلا لیا، سب انسپکٹر دردانہ نام ہے میرا۔ جانتی ہو تم مجھے اچھی طرح۔ بلکہ پورا علاقہ واقف ہے مجھ سے۔ تھانے لے کر جاتی تو تم ایک گھنٹے کی مار برداشت نہ کر سکتی۔'' جھٹکے سے اس کی تھوڑی چھوڑی۔ اس کا بھیگا چہرہ پرے لڑھک گیا۔

عورت اب اس کے سر پہ جھکی غرا کے کہنے لگی۔ ''اس کاغذ پہ اعترافِ جرم لکھو کہ کس طرح تم نے دادا جی کو زہر دینے کی کوشش کی۔ ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گی کہ تم یاد رکھو گی۔''

''مجھے دادا جی کے پاس لے جاؤ۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ روتے بلکتے ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ تھانیدارنی نے زور کا جھانپڑ اس کے چہرے پہ رسید کیا۔ وہ کرسی سمیت نیچے جا گری۔ دردانہ جھکی اور گردن سے دبوچ کے اسے اٹھایا۔

''جو میں کہہ رہی ہوں وہ لکھو۔ بلکہ لکھ تو میں نے دیا ہے' اس پہ دستخط کر دو۔''

وہ اسٹامپ پیپر تھا اور وہ تیار تھا۔

تالیہ کے آنسو یکدم رک گئے۔ وہ بالکل ٹھہر گئی۔ چند لمحے کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچتے سر اٹھایا اور دردانہ کو دیکھا۔ ''اچھا... کہاں کرنے ہیں سائن؟'' وہ بدلے ہوئے انداز میں بولی تو دردانہ نے گہری سانس لی۔ اور پیچھے سے آ کر اس کے ہاتھ کھولنے لگی۔

''اسی کاغذ پہ... بالکل نیچے... جہاں تمہارا نام لکھا ہے... اور ساتھ تاریخ بھی ڈالو۔'' وہ دوپٹے کی گرہیں کھول رہی تھی۔

''اگر میں سائن کر دوں تو تم مجھے دادا جی سے ملنے دو گی؟''

دردانہ اس کے پیچھے کھڑی تھی' اس بات پہ تلخی سے مسکرائی مگر بظاہر نرمی سے بولی۔ ''ہاں۔ بالکل۔''

''اچھا۔ میں کر دیتی ہوں سائن۔'' وہ رضامندی سے جلدی سے بولی اور گردن کاغذ پہ جھکا لی۔ اب وہ تحریر پڑھ رہی تھی۔ دردانہ نے آخری گرہ کھولی تو اس نے ہاتھ کھینچ لئے اور قلم اٹھا لیا۔ پھر کاغذ چہرے کے سامنے لائے تحریر پڑھنے لگی۔ وہ تحریر جس کے مطابق وہ دادا جی کو مارنے کا اعتراف کر رہی تھی۔

دردانہ گہری سانس بھر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ تالیہ نے کاغذ میز پہ رکھا اور سائن کرنے جھک گئی' ساتھ ہی منہ میں کچھ بولی۔ دردانہ نے ابرو اٹھایا۔ ''کیا؟''

وہ پھر جھکے جھکے کچھ بڑبڑائی۔ دردانہ نے اکتا کے چہرہ جھکایا۔ ''کیا بک رہی....''

اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ تالیہ کی مٹھی کی پشت زور سے اس کی ناک پہ آ لگی تھی۔ دردانہ تیورا کے پیچھے کو لڑھکی۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی تھی' مگر یہ اختتام نہ تھا۔ یہ صرف آغاز تھا۔

''مجھے مارا تم نے؟ ہاں؟ تالیہ بنتِ مراد کو مارا تم نے؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس پہ جھپٹی اور اسے گردن سے پکڑ کے اٹھایا' پھر تابڑ توڑ اس کے چہرے پہ مکے مارنے لگی۔ دردانہ نے چلاتے ہوئے اس کے بال کھینچے مگر تالیہ بھی کافی صحت مند تھی' اور اس کا جنون اور جوش کہیں زیادہ تھا۔ چند لمحوں میں اس نے دردانہ کو پھر سے نیچے گرا دیا اور کرسی اٹھا لی۔

''میں تالیہ بنتِ مراد ہوں.... میں محلوں میں رہنے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ میں دنیا پہ حکمرانی کرنے کے لئے بنی ہوں۔ مجھے مارا تم نے؟'' وہ دیوانہ وار کرسی کی ٹانگ اس پہ برسائے جا رہی تھی۔ دردانہ زمین پہ گری دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہی تھی' اس کے سر سے خون بہنے لگا تھا مگر تالیہ اسے مارے جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد جب تالیہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تو باہر راہداری میں کھڑے ابا' امی اور جبران نے پر امید نظروں سے اس طرف

دیکھا....دروازہ کھلتا گیا اور جو منظر سامنے آیا....اس سے ان کی مسکراہٹیں سمٹیں۔

سامنے کرسی پہ دردانہ بے حال' خون آلود چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی' اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے اور گردن نقاہت سے ڈھلکی تھی۔امی کا منہ شاک سے کھل گیا۔

''دردانہ!'' اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتیں' دروازے کی اوٹ سے وہ نکل کے سامنے آئی۔

الجھی پونی سے نکلتے بال' ماتھے پہ گومڑ اور خون....سرخ انگارہ ہرنی جیسی آنکھیں' اور ہاتھ میں پکڑی چھری۔(جو وہ الماری میں رکھتی تھی' چوری شدہ پھل رات گئے کاٹ کے کھانے کے لئے!) اس چھری کو لہراتے ہوئے وہ ان سب کو گھورتی آگے آئی۔

''اور کس کو کروانا ہے مجھ سے اعترافِ جرم۔ہاں؟ اور کون مجھے مارنے آئے گا؟ کس میں ہمت ہے کہ اب وہ تالیہ کو ہاتھ بھی لگائے!''

ابا تو وہیں کھڑے رہے مگر امی دو قدم پیچھے کو ہٹ گئیں۔

''اب ہٹو سامنے سے تم لوگ۔مجھے دادا جی سے ملنا ہے۔'' وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ غرا کے بولی تھی۔''اور اگر کوئی درمیان میں آیا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔''

''اس کو....اس کو نہ چھیڑو شفقت بھائی۔'' پیچھے سے نڈھال سی بندھی ہوئی دردانہ درد سے چلائی۔''یہ واقعی مار دے گی آپ کو۔یہ پاگل ہو چکی ہے۔''

''تالیہ....'' جبران نے پکارا تو تالیہ نے غصے سے اس کو دیکھا۔

''تم نے کیا ہے یہ سب ان کے ساتھ مل کے۔میں دادا جی کو تم لوگوں کی اصلیت بھی بتاؤں گی اور ثبوت بھی دکھاؤں گی۔میں تم لوگوں کو....''

''تالیہ دادا جی کا کچھ دیر پہلے ہارٹ فیل ہو گیا ہے....دادا جی مر گئے ہیں تالیہ۔'' وہ بنا کسی دکھ کے بے تاثر سا بولا۔

تالیہ کے کندھے ڈھلک گئے۔چھری والا ہاتھ پہلو میں آ گرا۔چند لمحے وہ ساکن سی کھڑی رہی....پھر بے اختیار سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔تیز تیز زینے پھلانگے اور دھاڑ سے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

جبران درست کہہ رہا تھا۔

دادا جی جا چکے تھے۔

اسے دیر ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

لب بھینچے' سر جھکائے' اس نے جھٹکے سے رسی کی آخری گانٹھ کھولی تو ایڈم کے ہاتھ کھل گئے۔وہ جلدی جلدی باقی رسی خود اتارنے

لگا۔سوچا شکریہ کہے مگر چے تالیہ کا جواب خوشگوار نہیں آنا تھا۔اس لیے خاموش رہا۔

وہ واپس مڑی اور اس سے قبل کہ وہ فاتح کی طرف آتی' گھوڑا گاڑی کی رفتار سست ہونے لگی۔وہ تینوں بری طرح چونکے۔فاتح نے گردن موڑ کے پنجرے کی سلاخوں سے دیکھا۔گاڑی کے سامنے کیا آیا تھا جو وہ رکی تھی' معلوم نہیں پڑتا تھا' مگر اتنا نظر آتا تھا کہ سامنے کوئی لمبی چوڑی سی دیوار تھی۔

''یہ کیسی دیوار ہے؟'' تالیہ اپنی طرف سے جھانکنے کی سعی کر رہی تھی مگر کچھ واضح نہ تھا۔

''یہ شہر کی فصیل ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''ملاکہ شہر کی فصیل۔''

وان فاتح کے الفاظ تھے کہ کیا...تالیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

وہ تاریخی شہر...سلطنتِ ملاکہ کا دارالحکومت ''ملاکہ'' ان کے سامنے تھا....جہاں سلاطین کے محل تھے....جہاں شہزادیاں رہتی تھیں....کیا وہ واقعی ملاکہ میں داخل ہونے والے تھے؟

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

گھوڑا گاڑی رک چکی تھی۔چند افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔تالیہ نے سننے کی کوشش کی۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔یہ شہر کی فصیل ہی ہے کیونکہ گاڑی بان غالباً کسی پہریدار سپاہی سے کہہ رہا ہے کہ وہ کسی....'' اس نے کان لگا کے غور سے سننا چاہا۔''کسی 'ابوالخیر' کا آدمی ہے اور اس کے پاس قیمتی سامان ہے۔اب فصیل کا سپاہی اس کو اندر جانے کی اجازت دے رہا ہے۔'' وہ سن کے ترجمہ کر رہی تھی۔

بھاری گیٹ کھلنے کی آواز آئی اور گاڑی پھر سے چل پڑی۔

تالیہ نے جلدی سے رسیاں واپس ہاتھوں اور گردن میں لپیٹ لیں' یوں کہ لگے وہ ہنوز مقید بیٹھی ہے۔اسے دیکھ کے ایڈم نے بھی تقلید کی۔

اب وہ تینوں دم سادھے بیٹھے تھے۔

گھوڑا گاڑی اب شہر کے اندر داخل ہو چکی تھی......

☆......☆......☆

چھوٹے بنگلے میں اگربتیوں کی مہک پھیلی تھی۔لاؤنج میں سفید چادریں بچھی تھیں جن پہ جا بجا کھجور کی گٹھلیوں کے ڈھیر لگے تھے۔فضا میں بریانی کی خوشبو بھی رچی بسی تھی۔چادریں البتہ خالی تھیں۔لوگ مردے کو پڑھ بخش کے جا چکے تھے۔وہاں صرف وہ بیٹھی تھی۔سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے' اکڑوں بیٹھی' گھٹنوں پہ گال ٹکائے۔آنسو آنکھ میں ہنوز اٹکا تھا۔ماتھے کا گومڑ اب نیلا ہو چکا تھا۔

دفعتاً شفقت صاحب اندر داخل ہوئے۔ چادروں کے ایک طرف جوتے اتارے اور ننگے پاؤں چلتے اس کے قریب آئے اور سامنے بیٹھے۔

''تالیہ۔'' انہوں نے آہستہ سے پکارا۔ نہ سخت لہجہ تھا' نہ نرم۔ بس مطمئن۔ وہ گھٹنے پہ گال رکھے بیٹھی دور خلاء میں دیکھتی رہی۔

''گھر کی بات تھی' اس لئے میں نے تھانے کچہری کے معاملات کو سنبھال لیا ہے۔ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کرے گی۔ سمجھو معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے۔''

دادا جی نے اس کے نام دو کانوں کا انتقال ہی نہیں کروایا تھا ابھی اس لیے یقیناً انہوں نے جبران سے مل کے سب کچھ آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ اب تالیہ کو سزا دینا بے کار تھا۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پلکوں کے کنارے پہ آنسو اٹکا تھا' مگر گرتا نہیں تھا۔

''تمہارے لئے ایک میرج بیورو سے بات کی تھی۔ ایک اچھا رشتہ ڈھونڈا ہے ہم نے۔ لڑکا ملائیشیاء کا ہے۔ تمہارے ملک کا۔ اگلے ہفتے نکاح ہو گا اور چند دن بعد تم ملائیشیاء چلی جاؤ گی۔ ہم تمہیں اچھا زیور اور کپڑے دے کر رخصت کریں گے اور ہمارے سارے فرائض ادا ہو جائیں گے۔ جو تم نے چاچا جی کے ساتھ کیا' اس کی معافی تم خدا سے مانگتی رہنا' مگر آئندہ ہمارا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہو گا۔''

وہ جب اسی طرح بت بنی بیٹھی دوسری طرف دیکھتی رہی' تو وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے پاس کبھی جیب خرچ جتنے پیسے جمع نہیں ہوئے' لیکن جب بھی کچھ بچا پاتی' تو ایک تنظیم کو خیرات کے طور پہ بھیجتی جو ایشیاء کے مختلف ممالک میں کام کر رہی ہے۔'' وہ دیوار کو دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولی تو وہ وہیں رک گئے۔

''وہ تنظیم ایک مہم چلا رہی ہے جس کے تحت یتیم خانوں میں وولینٹیر پروگرام کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ وولینٹیر پروگرام سمجھتے ہیں آپ کیا ہوتے ہیں؟ جب اسٹوڈنٹس یا سوشل ورکرز رضا کار بن کے چند دن کے لئے یتیم خانے میں آتے ہیں' بچوں کے ساتھ وقت بتاتے ہیں' اپنی رپورٹس' تھیسز' اور پیپرز لکھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور ان کو لگتا ہے وہ بہت نیک کام کر کے گئے ہیں' مگر نہیں۔'' اس کی دوسری آنکھ میں بھی آنسو اٹک گیا مگر گرا نہیں۔

وہ وہیں کھڑے اس کو سنتے گئے۔

''یہ رضا کار یتیم بچوں کو ظالم وارڈن سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ چند دن میں بچے ان کے ساتھ ایک بونڈ بنا لیتے ہیں۔ ہر اجنبی کو دیکھ کے بچوں کو لگتا ہے وہ ان کو اڈاپٹ کر لے گا مگر جب وہ اپنے بھرے کاغذوں اور رجسٹرز کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں تو بچے کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ساری عمر کے لئے دوبارہ کسی سے محبت کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔''

شفقت صاحب وہیں کھڑے اس کے جھکے سر کو دیکھے گئے۔ جیسے بدقت برداشت کر رہے ہوں۔

وہ دیوار کو دیکھتی رندھی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اور اگر کبھی وہ زندگی میں آگے جا کر کسی اجنبی کو اپنا مان بھی لے' اور اس سے محبت کر بھی بیٹھے' تو بھی آخر میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر خون کے رشتے پھیکے ہی ہوتے ہیں اور خون ہمیشہ جیت جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی سے محبت کرنا' کسی سے اٹیچ ہونا اس بچے کے لئے ناممکن بن جاتا ہے۔ اسی لئے میں اتنے سال اس تنظیم کو خیرات دیتی رہی تا کہ دوبارہ کوئی رضا کار' کوئی اجنبی کسی یتیم بچے کا دل نہ توڑ سکے۔''

وہ اب خاموش ہو گئی تھی۔ چہرہ ہنوز گھٹنوں پہ رکھا تھا اور آنسو ٹپک کے ہی نہ دے رہے تھے۔ شفقت صاحب نے سر جھٹکا اور اپنے ننگے پیر دروازے کی طرف بڑھا دیے۔ (تالیہ کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے اسے یتیم خانے سے آزادی دی۔ اس کو چھت دی۔ اس کو پال پوس کے بڑا کیا۔ اب اس کی شادی کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے کسی غریب بچی کے لیے؟ غربت کی وجہ سے ہی والدین نے اسے یتیم خانے میں پھینکا ہوگا۔ اگر اپنے اصل گھر میں پلتی بڑھتی تو فقیروں کی سی زندگی گزارتی۔ مگر بھئی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' وہ افسوس کرتے باہر نکل گئے۔

اگر بتی کی مہک کافور میں گھل کے عجیب سی خوشبو بنا رہی تھی۔ ایسی خوشبو جو اعصاب کو مزید بھاری کر دیتی ہے۔

☆......☆......☆

اندھیرا ملاکہ شہر پہ پھیلا تھا۔ گھوڑا گاڑی سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں اطراف میں اندھیرا تھا۔ کہیں ایک منزلہ کمرے سے بنے تھے۔ کہیں ریڑھیاں رکھی تھیں جن کے اوپر چادریں پڑی تھیں۔ کہیں گھوڑے بندھے تھے۔ اِکا دُکا مشعل کسی مکان کے سامنے روشن تھی تو تھی' ورنہ ہر طرف اندھیرا تھا۔ گھوڑا گاڑی اب ایک گلی میں مڑ گئی تھی۔ دونوں اطراف میں چاندنی میں واضح ہوتے مکان بنے تھے۔ بالائی منزلیں سن باؤ کے گھر جیسی تھیں۔ ویسی ہی بالکونیاں.... ویسے ہی دالان۔ وہ سلاخوں سے چہرہ لگائے' محویت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس خاموش سوئے ہوئے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

عجیب قدیم شہر تھا.... عجیب قدیم مکان تھے.....

بالآخر گھوڑا گاڑی ایک بڑے گیٹ کے سامنے جا رکی۔

آگے کیا ہوگا؟ تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا.....

☆......☆......☆

کوالالمپور کا خوبصورت شہر اس دوپہر بہت روشن دکھائی دیتا تھا۔ سڑک کنارے ایک اخبار کے اسٹال پہ وہ رکی کھڑی تھی۔ کوالالمپور آنے' اور سمیع سے چھٹکارا پانے کے چند ماہ کے اندر وہ خوش خوراکی کے باعث مزید بھری بھری سی ہو گئی تھی۔ گال پہلے سے زیادہ پھول گئے تھے۔ ایسے میں وہ اخبار میں چھپے وان فاتح کے انٹرویو کو دیکھ رہی تھی جب دکاندار نے اس کو چناؤ کا کہا۔ اس نے اخبار اور پھولوں

کا تاج دونوں پکڑ رکھے تھے۔

''آپ کو اخبار چاہیے یا تاج؟ یا دونوں؟''

اور تالیہ نے چند لمحوں میں ہی چناؤ کر لیا تھا۔ اس نے اخبار چھوڑ دی۔ اور تاج سر پہ رکھ لیا۔ وہ پھولوں سے بنا تھا اور پھول بھاری نہیں ہوتے۔ وہ اپنے فیصلے پہ مطمئن سی فٹ پاتھ پہ آگے چل دی۔

اسے پارلر پہنچنا تھا جہاں اس کی شفٹ کا وقت ہونے والا تھا۔ تاج کے باعث فٹ پاتھ پہ چلتے لوگوں نے کئی بار مڑ کے اسے دیکھا تھا۔ کسی نے ستائشی فقرہ بھی کہا۔ وہ بے نیاز سی چلتی گئی۔

ایک دم سے ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔ پتہ بھی نہ چلا تھا اور آسمان نے اپنے تھال الٹ دیے تھے۔ موسلا دھار بارش یکا یک شروع ہوگئی تھی۔ اس کے پاس چھتری نہ تھی۔ وہ بھاگ کے دو کانوں کے چھجے تلے آ کھڑی ہوئی۔ مگر ان چند قدموں کے فاصلے نے ہی اسے بھگو ڈالا تھا۔

منہ بسورے اس نے سر کا تاج اتارا تو دیکھا' سفید اور زرد پھول گیلے ہو کے ادھڑنے لگے تھے۔ ان کو جوڑنا چاہا تو ایک طرف سے تین زرد گلاب ٹوٹ کے قدموں میں آ گرے۔ وہ بے اختیار نیچے جھکی اور زمین پہ گرے پھولوں کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا....

گیلی زمین پہ گرے زرد گلاب.... ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

چند منٹ بعد بھیگی ہوئی تالیہ ایک دفتر کے اندر کھڑی تھی۔ کرسی پہ بیٹھا شخص اسے سامنے والی کرسی پیش کر رہا تھا مگر وہ عجلت میں کھڑی ہی رہی۔

''اگر اخبار میں ایک اشتہار لگوانا ہو تو کتنے پیسے لگیں گے؟'' وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔ دفتر کے شیشوں پہ بارش تڑاتڑ برسے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

گھوڑا گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوگئی۔ آگے چار دیواری کے اندر کھلا سا احاطہ تھا۔ وہاں دور دور تک گھوڑے بندھے نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پہ چند مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث منظر نامہ نیم روشن تھا۔

گاڑی کو روک کے چند افراد نے وہ پنجرہ اٹھایا اور اسے نیچے لا اتارا۔ پھر ایک کونے میں رکھ کے خود آگے بڑھ گئے۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ جیسے سب ان کو بھول کے سونے جا چکے ہوں۔ نیم اندھیرا اور سناٹا۔ فاتح نے گردن اونچی کر کے دیکھا۔

کچی مٹی کے احاطے میں ایک جگہ بجھی ہوئی لکڑیاں رکھی تھیں گویا شام میں جلتی رہی ہوں گی۔ ایک کونے میں کنواں بنا تھا۔

سامنے بہت سے گھوڑے قطار میں تھے۔

''یہ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟'' تالیہ کی آواز پہ وہ چونکا۔ وہ الجھی ہوئی سی سوال کررہی تھی۔ ''کیا یہ ہمیں ماردیں گے؟''

''اگر مارنا ہوتا تو اتنی اچھی غذا نہ دیتے۔'' وہ بولا تو تالیہ نے ایک نظر پنجرے کے دروازے پہ ڈالی۔

''اس کو باہر سے تالہ لگا ہے۔ اگر ہم کھول بھی لیں تو اس عجیب شہر میں ہم کہاں جائیں گے' تو انکو؟ میرے بابا جانے کہاں ہوں گے۔ کس سے راستہ پوچھیں گے؟'' اس نے اپنے ہاتھ کی کھلی رسیوں کو مایوسی سے دیکھا۔ ''ہم یہ رسیاں کھول کے بھی قید ہی ہیں۔''

''تالیہ.... ادھر دیکھو.... تالیہ۔'' فاتح نے سختی سے پکارا تو تالیہ نے اداسی سے سر اٹھایا۔

''تم پہ پھر سے چار دن پہلے والی قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔ ایسے مت کرو۔ مجھے نہیں معلوم تم زندگی میں کن حالات سے گزر چکی ہو' مگر میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ماضی کا ہر واقعہ ہمیں مستقبل کے امتحان کی تیاری کروانے کے لئے پیش آتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم پھر سے ہمت ہار دو۔ ہم تمہارے بابا کے بہت قریب ہیں۔ اس لئے شاباش.... ہمت کرو اور دروازہ کھولو.... یا میرے ہاتھ کھولو تاکہ میں اس کو توڑنے کی کوشش کروں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن اٹھالی۔ ساری اداسی اس قدیم فضا میں اڑ کے خاک ہوگئی۔

''آپ کی ریڈنگ گلاسز آپ کی جیب میں ہیں نا؟'' وہ ذرا پرسکون انداز میں سوال کرنے لگی تو فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''ہاں کیوں؟'' وہ بندھے ہاتھ بدقت جیب تک لے گیا' عینک نکالی اور اس کی طرف اچھالی۔ تالیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے فضا میں کیچ کرلیا۔ پھر عینک کھولی اور کڑک کی آواز کے ساتھ اس کا بازو توڑ دیا۔ پھر سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کے تالے میں عینک کے ٹوٹے بازو کا نوکیلا حصہ ڈالا' اور گھمانے لگی۔

''یہ سب تم نے کہاں سے سیکھا؟'' وہ متحیر ہوا تھا۔ ایڈم البتہ چپ رہا۔ چے تالیہ کی تعریف کا کوئی موڈ نہیں تھا اس کا۔

سلاخوں سے لگی' بازو باہر لے جا کے تالے کے اندر ''چابی'' گھماتی تالیہ فاتح کو دیکھ کے مسکرائی۔

''ایک جادوگر سے!''

عینک کے ہینڈل کی پن تالے کے اندر کی پنوں کو دھیرے دھیرے کھول رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک کیفے تھا جہاں کونے والی کرسی پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ گال تلے رکھے' وہ دوسرے ہاتھ سے میز بجاتی منتظر سی نظر آتی تھی۔ نظریں دروازے پہ لگی تھیں۔ میز پہ ایک اخبار بھی پڑا تھا جس میں ایک واضح اشتہار سامنے نظر آرہا تھا۔

''میرے فادر جن کا نام ذوالکفلی ہے کچھ عرصے سے لاپتہ ہیں۔ میں ان کو اس پیغام کے ذریعے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں ہر شام مندرجہ ذیل پتے پہ ان کا انتظار کرتی ہوں۔ میرے پاس ان کا دیا زرد گلاب اور کھوٹا سکہ اب بھی موجود ہے اور میں ان کے پلٹ کے آنے کی آج تک منتظر ہوں۔ اگر ان کو میرا احسان یاد ہے تو براہِ مہربانی پلٹ آئیں۔ تالیہ!''

ساتھ میں کتاب میں رکھے ایک سوکھے زرد گلاب اور کھوٹے سکے کی تصویر بھی شائع کی گئی تھی جو وہ ہمیشہ اپنے سامان میں اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اتنے برس تک تالیہ نے اس پھول کو نہیں کھویا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک ہیٹ والا آدمی اندر داخل ہوا۔ ہیٹ اس نے ماتھے پہ جھکا رکھی تھی۔ صرف ہونٹ نظر آتے تھے۔ یا چھوٹی چھوٹی سفید سیاہ داڑھی۔

وہ سیدھا اس کی میز تک آیا اور کرسی کھینچی۔ پھر ہیٹ اتار کے رکھا تو چہرہ واضح ہوا۔

ذوالکفلی اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ سر کے بال آدھے سفید تھے۔ جیب میں زرد پھول بھی نہ تھا مگر آنکھیں وہی تھیں۔ مسکرا کے اس نے تالیہ کو دیکھا۔

''کتنے دن سے اشتہار دے رہی ہو' تالیہ؟''

وہ گال ہتھیلی پہ جمائے اسے دیکھتی مسکرائی۔ ''آٹھ دن سے۔ شہر کے تینوں بڑے اخبارات میں۔ وہ اس عجیب وغریب سے اشتہار پہ حیران ہوتے ہیں مگر میں جانتی تھی' یہ آپ کی نظروں سے ضرور گزرے گا۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''آئی ایم سوری۔ میں کسی الوداع کے بغیر ہی چلا گیا' لیکن میں نے کبھی تمہیں ایڈاپٹ کرنے کی امید نہیں دلائی تھی۔ مجھے معاف کر دینا اگر ایسا ہوا ہو تو۔''

''مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ کم از کم اب نہیں۔''

''شاید تب بھی نہیں تھا' تبھی تم نے غلط خاکہ بنایا تھا۔ پولیس میں میرے مخبر بھی ہوتے ہیں' خبر مل ہی جاتی ہے۔ وہ تمہارا احسان تھا۔ میں شکر گزار ہوں۔ بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ ہاتھ باہم پھنسائے سنجیدگی سے اس کی طرف جھکا۔

''میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنی طرح بنا دیں۔ بہروپیہ۔ چور۔''

ذوالکفلی کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ وہ ایک دم پیچھے ہوا۔ ''تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ تم تو اتنی پیاری لڑکی ہو۔ تمہیں یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔''

وہ اسی طرح ہتھیلی پہ چہرہ جمائے بیٹھی اطمینان سے اسے دیکھے گئی۔

''مجھے فیری ٹیلز میں وہ شہزادیاں نہیں پسند ذوالکفلی صاحب جو ایک زہریلا سیب کھا کے مر جاتی ہیں.... یا گھڑی کے بارہ بجاتے ہی خوابوں کی تقریب چھوڑ کے بھاگ جاتی ہیں۔ جنہیں کوئی بھی بھیڑیا دادی کے کپڑے پہن کے بے وقوف بنا سکتا ہے۔ مجھے تو وہ شہزادیاں پسند ہیں' جو زہر کی بو کو میلوں دور سے سونگھ سکیں...جو اپنی شیشے کی جوتی محل سے خود کھینچ کے واپس لے آئیں۔ جو اپنے جسم سے سوئیاں نکالنے کے لئے شہزادوں کا انتظار نہ کریں...جو اپنی ہر شے کو برف بنا دینے کی صلاحیت سے خوفزدہ نہ ہوں...جو ونڈر لینڈ میں خود کو

جان بوجھ کے گم کر لیں جب کہ ان کو سارے راستے آتے ہوں اور جب وہ کسی beast کے قلعے میں داخل ہوں تو ان کو اچھی طرح معلوم ہو کہ اندر کیا ان کا منتظر ہے۔ سو ذوالکفلی صاحب' میں پیاری لڑکی ہوں نہ بننا چاہتی ہوں۔ میں وہ ظالم لڑکی بننا چاہتی ہوں جو ایک دن اپنے محل میں راج کرے گی' اپنی مرضی کی شہزادی بن کے۔''

وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ بس بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گیا۔

''تم کہاں رہ رہی ہو؟'' کوئی سحر سا ٹوٹا تو اس نے سوال کیا۔

''ایک نئی دوست کے ساتھ جو ایئر پورٹ پہ ملی تھی۔ لیانہ صابری۔ مگر اس کو نہیں معلوم کہ میں آپ سے رابطے میں ہوں۔ جو میرے اور آپ کے درمیان ہوگا' وہ ہمارے درمیان ہی رہے گا۔ وہ میرے ہر کام میں میرا ساتھ دے گی مگر میں یہ چھوٹے موٹے ای میل اسکام نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے بڑے کام کرنے ہیں۔''

''تمہیں ان بڑے کاموں کی قیمت ساری زندگی چکانی پڑے گی۔ تمہاری نیک روح بدی سے داغدار ہو جائے گی۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے۔ کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟''

''ہاں!'' ذوالکفلی نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تمہیں میں کوالالمپور کی بہترین کون آرٹسٹ بنا سکتا ہوں۔ تمہارے اندر نیچرل ٹیلنٹ ہے کہانی بازی کا۔ اور تم ذہین بھی ہو۔ لیکن تمہیں اپنا وزن کم کرنا ہوگا۔''

تالیہ نے گال تلے سے ہاتھ ہٹایا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ ''اچھا ٹھیک ہے میں موٹی ہوں مگر وزن کا اس کام سے کیا تعلق۔''

''تم نے کہا تم 'بہترین' بننا چاہتی ہو۔ کسی بھی فیلڈ میں بہترین بننے کے لئے سستی اور موٹاپے سے نجات ضروری ہے۔ جتنا انسان فٹ ہوتا ہے' اتنا اس میں اسٹیمنا ہوتا ہے اور اتنی وہ محنت کر سکتا ہے۔ اگر تم کچھ سیکھنا چاہتی ہو تو پہلے پچیس کلو وزن کم کرو۔ اور پھر مجھے اس ای میل ایڈریس پہ میل بھیجو۔ اس سے پہلے میں تمہیں کچھ نہیں سکھا سکوں گا۔'' اس نے ایک چٹ سامنے رکھی۔ جس پہ ایک ای میل ایڈریس درج تھا۔ تالیہ نے اچنبھے سے چٹ اٹھائی۔

''میں ساتھ ساتھ وزن کم کر لوں گی' کیا آپ ابھی سے....''

''ہرگز نہیں۔ موٹے لوگ بے کار لوگ ہوتے ہیں۔ مجھے چڑ ہے موٹے لوگوں سے۔ وہ اس بات سے واقف ہی نہیں ہوتے کہ پتلا اور فٹ ہونا ان کی زندگی کو کیسے روشن کر سکتا ہے۔ اور جو لوگ اپنے وزن کو محنت سے کم کر کے خود کو فٹ کر لیتے ہیں' وہ اپنی اپنی فیلڈ میں بہت آگے جا پہنچتے ہیں۔ میں موٹاپے کی لعنت کے ساتھ کسی کے ہمراہ کام نہیں کر سکتا۔ پچیس کلو۔ ٹھیک!'' تنبیہہ کرتے ہوئے سنجیدہ چہرہ بنائے وہ اٹھا' اور ہیٹ اٹھا کے سر پہ رکھا۔ وہ چٹ ہاتھ میں لئے گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''میں تمہیں دنیا کا ہر کام سکھا دوں گا۔ تم منٹوں میں بہروپ اور آوازیں بدل لو گی۔ تنگ سوراخوں سے گزر جایا کرو گی۔ تالے

تمہارے ہاتھ میں آتے ہی کھل جایا کریں گے۔تم ہر کام سمجھ لوگی۔ایسا نہیں ہے کہ تمہیں ہر کام "کرنا" بھی آ جائے گا' لیکن تم لوگوں کو کنوینس کر سکو گی کہ تم سب کرنا جانتی ہو۔اس لیے جب تیار ہو جاؤ تو مجھ سے رابطہ کرنا۔" ایک آخری نظر اس پہ ڈال کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور وہ گم صم سی اس ہیٹ والے پراسرار آدمی کو جاتے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

عینک کا ہینڈل تالے کے سوراخ میں وہ مختلف زاویوں سے گھما رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھٹک کی آواز کے ساتھ وہ کھل گیا۔تالیہ مسکرائی اور تالہ نکال کے زمین پہ گرا دیا۔پھر فاتحانہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

"صدیوں سے قدیم چینی تالے ایک ہی طرز پہ بنتے آ رہے ہیں۔ یہ تو کافی آسان تھا۔"اس نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور باہر اتری۔ٹانگیں سیدھی کرنے پہ درد اور تکان محسوس ہوئی مگر ساتھ میں خوشگوار احساس بھی ہوا۔وہ آزاد تھی۔

اسی پل سامنے دیوار سے بندھا کھڑا گھوڑا زور سے ہنہنایا۔تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اپنے مالکوں کا وفادار جانور اس کو باہر نکلتے دیکھتے ہوئے زوردار آوازیں نکال رہا تھا۔وہ جلدی سے مڑی۔

"ایڈم....فاتح صاحب کی رسی کھولو....ہمیں نکلنا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ لوگ باہر نکل آئیں۔"اس کی ہراساں نظریں عمارت کے بند دروازوں پہ جمی تھیں جہاں سب سونے اندر جا چکے تھے۔ایڈم نے جلدی جلدی اپنے پیر کھولے پھر فاتح کے ہاتھوں کی طرف آیا۔

"ایڈم جلدی کرو۔"وہ دبا دبا سا چلائی

دوسرے گھوڑے بھی ایک ساتھ آوازیں نکالنے لگے تھے۔ایک نے فضا میں اگلے ٹاپ بھی بلند کر دیے۔عمارت کے اندر سے آوازیں آنے لگیں....جیسے لوگ جاگ گئے تھے۔

"ایڈم!"وہ چیخی۔

"میں کھول رہا ہوں۔"وہ بدحواسی سے فاتح کے ہاتھوں پہ بندھی رسی کی گانٹھ ڈھونڈ رہا تھا۔اندھیرا اور اتنی گانٹھیں....کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔یکدم فاتح نے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے۔ایڈم نے چونک کے سر اٹھایا.....

"تم جاؤ...."وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔"تم دونوں جاؤ اور مراد کو ڈھونڈو۔"

تالیہ سناٹے میں رہ گئی۔"نہیں....ہم آپ کو کیوں چھوڑ دیں؟ نہیں۔"

"بے وقوفی مت کرو' وہ لوگ جاگ گئے ہیں' وہ پہنچ گئے تو ہم تینوں پھنس جائیں گے۔جاؤ۔بھاگو۔"وہ اب کے برہمی سے اونچا سا بولا۔ہاتھ اس نے پرے کر لئے تھے۔ایڈم شاکڈ تھا۔

"سر....ہم کیسے....آپ کا کیا ہوگا؟"

''وان فاتح کو زندگی میں کبھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔تم دونوں میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔میں اپنا معاملہ خود سنبھال لوں گا۔تم جاؤ۔جاؤ۔''

تالیہ نے بے یقینی اور خوف سے اسے دیکھا....پھر عمارت کو۔اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔کھڑکیوں کے پٹ کھلے پھر دروازے....اس نے بےبس نگاہ فاتح پہ ڈالی۔وہ اس نگاہ کو سمجھ گیا تھا۔

''تم نے کہا تھا اگر سارے ملائیشاء میں میرے ساتھ صرف ایک شخص کھڑا ہو تو وہ تم ہو گی۔کوئی بھی انسان میری بات ماننے والا نہ رہے' تم تب بھی میری بات مانو گی۔کیا تمہیں وعدے نبھانے آتے ہیں' تالیہ؟''

تالیہ کے دل پہ زوردار پتھر آ گرا۔اس نے ایڈم کو دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔''بھاگو ایڈم۔'' پھر دوبارہ فاتح کو دیکھا۔''تالیہ آپ کو بچانے آئی گی' تالیہ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گی' توانکو۔''

مگر پنجرے میں بیٹھا شخص شانے اچکا کے بولا تھا۔''No Offence مگر فاتح کو کبھی کسی کی مدد یا ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی۔میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔اب جاؤ۔''

یہ حکم تھا۔

وہ دونوں پیچھے دیکھے بنا ایک ساتھ بھاگے تھے۔

☆......☆......☆

عمارت کے دروازے یکے بعد دیگرے کھلے۔دو تین آدمی ہڑبڑائے ہوئے سے باہر آئے۔ایک کی نظر دور گیٹ پہ پڑی جس کا بڑا سا کنڈا تالیہ کھول رہی تھی۔

''روکو....پکڑو!'' وہ حواس باختہ سا چلایا مگر تالیہ کنڈا کھول چکی تھی۔

گیٹ کھل گیا۔اور وہ دونوں باہر بھاگ گئے۔

پنجرے میں بیٹھے وان فاتح نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ہر طرف ان لوگوں کی روکو پکڑو کی پکار مچ گئی تھی۔کسی نے مشعل اٹھائی' کسی نے گھوڑے پہ چھلانگ لگائی۔بہت سے لوگ گیٹ کے پار ان کے تعاقب میں دوڑتے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ آنکھیں موندے اکڑوں بیٹھا تھا۔آریانہ دھیرے سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

''کیا آپ کو واقعی کسی کی ضرورت نہیں ہے' ڈیڈ؟''

فاتح نے آنکھیں کھولیں۔سفید لباس والی آریانہ پلکیں جھپک جھپک کے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ مدھم سا مسکرایا۔

''کبھی پڑی تو نہیں۔لیکن تالیہ کو لگتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔''

''لیکن نہیں....آپ درست کہہ رہے تھے....میرا نہیں خیال آپ کو کسی کی ضرورت ہے۔آپ اپنے لئے کافی ہیں۔''

''میں بھی ایسے ہی سمجھتا ہوں۔'' وہ پوری سچائی سے بولا تھا۔

اسی اثناء میں ایک آدمی پنجرے کی طرف دوڑتا آیا اور مشعل کی روشنی میں کھلی رسیاں دیکھنے لگا۔ وہ دم بخود تھا۔پنجرے کے دروازے پہ ضرب کا کوئی نشان نہ تھا....وہ جھکا اور زمین پہ گرا تالہ اٹھا کے دیکھا۔وہ صحیح سلامت تھا۔جیسے چابی سے کھولا گیا ہو نہ کہ توڑا گیا ہو۔

''کس نے کیا ہے یہ؟ تالہ کس نے کھولا ہے؟ بتاؤ۔'' وہ مقامی زبان میں تالہ لہرا کے غصے سے فاتح سے بولا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے ڈیڈ؟'' آریانہ کی قدرے خائف سی سرگوشی سنائی دی.....

''یہ تالہ....'' فاتح اپنی زبان میں تالے کی طرف انگلی کر کے اشاروں میں سمجھانے لگا۔''اس آدمی نے کھولا ہے۔وہ جو....''اس نے بالوں کی طرف اشارہ کیا'' لمبے بالوں والا ہے' چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان ہے۔وہ آیا تھا اور اس نے یہ تالہ کھول کے ان کو بھگا دیا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اشارے کر کر کے بتا رہا تھا۔آدمی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس نے چونک کے مڑ کے دیکھا۔زخم کے نشان والا آدمی گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا۔

''کیا اس نے بھگایا ہے ان کو۔''اس نے اشارے سے پوچھا۔بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''ہاں اس کے پاس چابی تھی....اس نے تالے میں ڈالی' اسے کھولا' اور ان کو بھگا دیا۔'' فاتح نے ہاتھوں سے ساری علامتیں بنا کے دکھایا۔آدمی نے دانت کچکچا لئے۔غصے سے دروازہ بند کیا' تالہ مقفل کیا اور اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ اس کے کندھے کو ہلا کے الجھن سے پوچھنے لگی۔

''سیاست!'' وہ آنکھیں چھوٹی کر کے دور جاتے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کس طرف جانا ہے۔'' وہ دونوں تیز تیز دوڑ رہے تھے جب ایڈم نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔گیٹ کے پار تاریک گلیاں تھیں۔ صرف چاند کی چاندنی پھیلی تھی جس سے بمشکل ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا تھا۔

''پتہ نہیں۔بس بھاگو۔'' وہ تیز دوڑ رہی تھی۔اندھیر گلی میں وہ دونوں بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ پیچھے اس عمارت سے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔وہ لوگ جاگ چکے تھے اور ان کے تعاقب میں تھے۔

گلیوں کے درمیان سے ہوتے وہ کھلے سے احاطے میں آ گئے۔یہاں دونوں اطراف میں لکڑی کی دکانیں اور چھابڑیوں کی قطاریں لگی تھیں جو رات کے اس پہر چادروں سے ڈھکی تھیں۔شاید وہ بازار تھا۔وہ بنا مڑے بھاگتے گئے۔

تعاقب کرنے والوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔تالیہ کے سرپٹ دوڑتے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔جسم پسینے میں نہا گیا تھا

۔مگر وہ دوڑے جا رہی تھی۔

سامنے شہر کی طویل فصیل تھی۔ وسط میں گیٹ لگا تھا مگر وہ گیٹ کی طرف نہیں گئے۔ وہ دیوار کے ساتھ آگے دوڑتے گئے۔ یہاں تک کہ گیٹ کے پہریداروں سے دور نکل آئے۔ ایک دوسرے کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں پڑی۔ بولنے یا پوچھنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ ایڈم نے دیوار پہ جست لگائی اور اوپر چڑھنے لگا۔

دور سے مشعلوں کی روشنی قریب آ رہی تھی.... آوازیں' شور.... تالیہ دیوار پہ ہاتھ جمائے پیر اوپر جمانے لگی۔ فصیل اتنی اونچی نہ تھی ۔صرف علامتی تھی۔ چند لمحوں میں وہ دونوں وقت کے مسافر دیوار کے پار کود چکے تھے۔

سامنے لمبی سڑک تھی.... اور اس کے گرد کھیت تھے۔ وہ دونوں کھیتوں کی طرف دوڑتے چلے گئے۔

''وان فاتح کہتے ہیں ان کو میری ضرورت نہیں۔'' وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''مگر میں نے جو خواب دیکھا تھا' وہ اس کے الٹ تھا۔''

وہ کھیتوں میں داخل ہو چکے تھے۔ پیچھے فصیل کا گیٹ کھلتا دکھائی دے رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ یقیناً وہ لوگ شکاری کتے ساتھ لائے تھے۔

''وہ مجھے خواب میں کہہ رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔''

''سیریئسلی چے تالیہ.... کیا یہ ان باتوں کا وقت ہے؟'' وہ حواس باختہ سا بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور انہوں نے کہا تھا کہ ان کو میری ضرورت ہے.... اور مجھے ان کی.... لیکن آج انہوں نے یہ کیوں نہیں کہا۔''

کھیتوں کے دائیں طرف جھاڑیاں تھیں اور ان کے پار جنگل۔ ایڈم کے قدم اس طرف اٹھنے لگے۔ وہ بھی اسی سمت میں بھاگ رہی تھی۔

یہ کوئی اور جنگل تھا۔ اس رین فاریسٹ سے میلوں دور۔ مگر ویسا ہی تھا۔ اونچے درخت... جھاڑیاں.... کہیں بلندی کہیں نشیب ..... وہ دونوں بھاگتے چلے گئے....

تیز سانس لینے کی آوازیں.... ہانپتے ہوئے بار بار گردن موڑ کے پیچھے دیکھنا اور اندھا دھند دوڑنا....

کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں تعاقب کر رہی تھیں.....

پھر ایک دم وہ رک گئی.... جھک کے گہرے گہرے سانس لینے لگی.... وہ جو چند قدم آگے نکل گیا تھا' واپس مڑا۔

''چے تالیہ.... رکیں گی تو ان کا شکار بن جائیں گی.... دوڑیے....'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے گھبراہٹ سے کچھ دیکھتا تھا....

''نہیں....'' اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''ان کے پاس شکاری کتے ہیں۔ تالیہ نہیں بھاگے گی

۔" وہ کہتے ہوئے دائیں طرف بڑھی.... چند قدم اٹھائے....

"چے تالیہ.... آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"تالیہ اور ایڈم میں یہی فرق ہے.. تم ایڈم شکار بن کے سوچتے ہو.... میں شکار باز بن کے سوچتی ہوں...." وہ ادھر ادھر جھاڑیوں میں ہاتھ مار رہی تھی۔ "اگر میں شکاری ہوتی تو تالیہ اور ایڈم کو کیسے ڈھونڈتی؟"

"کیسے؟"

"دو چیزیں.... دو چیزیں ہوتی ہیں شکاری کتوں کے پاس جن سے وہ شکار کو پکڑتے ہیں...." اس نے جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے انگلیوں کی وی بنا کے پیچھے دکھائی۔ "ان کی رفتار اور سونگھنے کی حس...." وہ دھونکنی کی طرح چلتے تنفس کے درمیان رک رک کے کہہ رہی تھی۔ "رفتار اتنی تیز ہوگی جتنا تیز مالک چل سکتا ہے' اس نے کتے کی زنجیر تھام رکھی ہوتی ہے...... شکاری کتوں کو زنجیر کے بغیر کوئی نہیں جنگل میں لاتا.... اور اس کا مالک اتنا تیز نہیں ہے.... وہ زخم کے نشان والا آدمی.. وہ موٹا ہے... اس لیے کتوں کو ہم تک پہنچنے میں وقت لگے گا.... ہمیں کتے سے زیادہ نہیں' اس کے مالک سے زیادہ تیز بھاگنا ہے۔"

بھونکنے کی آوازیں ہر پل قریب ہو رہی ہیں.....

"اور دوسری چیز....؟" وہ گھبرایا کھڑا تھا۔

"کتے کی حس مشامہ... سونگھنے کی خوشبو...." کہتے ہوئے اس نے چاندکی روشنی میں چند پتے توڑ کھینچے... "کالی مرچ کا پودا... اور وہ دیکھو..." بازو لمبا کر کے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ شہتوت کا درخت.... منگکدو.... انڈین شہتوت.... ان کی خوشبو کتوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے.... وہ اس بو کا تعاقب نہیں کرتے.... ان کو خود پہ مل لو ایڈم.... ہم شکاریوں سے اور کسی طرح سے نہیں بھاگ سکتے...."

"یہ سب آپ کو کس نے بتایا چے تالیہ؟" وہ دم بخود کھڑا تھا۔ تالیہ نے زرد چہرہ اٹھا کے نقاہت سے اسے دیکھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ بے حال ہوگئی تھی، کلائیوں سے خون ہنوز رس رہا تھا۔

"کیونکہ میں شکار باز ہوں۔" پھر وہ ایک درخت کی جانب لپکی۔ "اور اس لئے بھی کیونکہ کے ایل کے جس کون آرٹسٹ نے مجھے چوریاں کرنا سکھایا تھا' اس نے مجھے پولیس کے کتوں سے بچنا بھی سکھایا تھا۔" ایک درخت کے پاس وہ رکی اور دیوانہ وار پتے توڑنے لگی۔ ایڈم فوراً جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔

"کالی مرچ یا شہتوت سے زیادہ skunkeed اچھی رہتی ہے کتوں کو دھوکہ دینے کے لئے۔" اپنا علم یاد آیا تو جھاڑ دیا۔

"مگر میرے خواب کے مطابق یہاں مرچیں اور توت ہی ہیں۔" وہ پتوں کو مسلنے لگی۔ ان کا رس.... ان کی خوشبو.... ناقابلِ برداشت تھی مگر تالیہ دیوانہ وار ان کو خود پہ ملے گئی۔

ایڈم بھی خود پہ پتے اوران کے ننھے پھول مسل مسل کے مل رہا تھا۔آس پاس تیز خوشبو آنے لگی۔تالیہ کو زوردار چھینک آئی۔اس نے ناک بند کرلیا اور پھر ایک درخت کی کھوہ میں جا بیٹھی۔

دور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔جنگل میں ذرا سی حرکت جو درخت کے قدموں میں کی جاتی' اس سے درخت ہلکا سا ہلتا اور وہ حرکت اوپر پتوں تک پہنچتے پہنچتے زوردار جھنجھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی۔مزید بھاگنے کا مطلب تھا اپنی پوزیشن سے تعاقب کاروں کو آگاہی دینا۔وہ مزید بھاگ نہیں سکتے تھے۔ایڈم بھی اس کے ساتھ کھوہ میں آ بیٹھا۔اب وہ دونوں آس پاس کے درختوں سے بھی چھپ چکے تھے۔

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔پرندوں کی چہچہاہٹ' دور کتوں کے غرانے کی آواز....دوڑتے قدم....یہ جنگل کسی رین فاریسٹ کی طرح ہی تھا۔گیلا...کیچڑ آلود...گھنے درخت...اور ہر طرف اندھیرا۔ایسے میں ایڈم نے ساتھ بیٹھی تالیہ کو دیکھا جو گھٹنوں کو سینے پہ لگائے' سمٹی بیٹھی' محتاط سی تعاقب کاروں کی چاپ سن رہی تھی۔آدھی کھلی چوٹی آگے کو ڈالے' مٹی لگا چہرہ' گالوں پہ زخم کے نشان۔اسے اس سے ہمدردی ہوئی۔

''آپ کو آپ کے خواب یوں مدد بھی دیتے ہیں؟'' ذرا نرمی سے پوچھنا چاہا۔

''ہاں...کیوں؟ تم خواب نہیں دیکھتے کیا؟'' وہ پٹاخ سے بولی۔ایڈم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔لب بھینچ لئے۔

''آپ کو برداشت کرنا چھ سو سال پیچھے آنے سے زیادہ مشکل ہے' چے تالیہ۔''

''پانچ سو ستاون سال۔کبھی ریاضی کی کتابیں نہیں پڑھیں' کیا؟''

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔پھر سے لب کھولے ہی تھے کہ تالیہ نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ لی۔

''ششش۔'' کتوں کے بھونکنے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ایڈم کا سانس تھم گیا۔بدقت تھوک نگلا۔وہ البتہ بالکل ساکن بیٹھی تھی۔چہرے پہ پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگ رہا' چے تالیہ؟'' وہ دبا دبا سا بولا۔تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''میں لوگوں کے سوتے ہوئے ان کے کمروں میں گھس کے چیزیں بنا آواز کے نکال لاتی ہوں۔تالیہ کو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔'' ذرا رکی۔''سوائے سمیع سے۔'' آخری فقرہ لبوں میں ادا کیا مگر اس نے سن لیا تھا۔حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ اتنی بہادر ہو کے اس آدمی سے کیوں ڈرتی ہیں؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سوگوار نظر آئی' پھر جلد ہی چہرے کو واپس سنجیدہ کر لیا۔''آوازیں دور جا رہی ہیں۔ہے نا؟'' بھونکنے کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

''کتے شاید واپس پلٹ رہے ہیں۔توت کے پتوں نے کام کر دکھایا۔'' وہ مسکرایا۔

چند منٹ میں آوازیں پست ہوتی گئیں اور پھر بالکل ہی دم توڑ گئیں۔جنگل میں خاموشی چھا گئی۔واحد شور پرندوں اور مینڈکوں کی آوازوں کا تھا۔

تالیہ کھوہ سے نکل آئی اور اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتے آسمان کو دیکھا۔یہاں سے وہ واضح نظر نہ آتا تھا۔بس سیاہی پہ چند تارے تھے جیسے۔

''تارے!'' وہ چونکی۔''ہمیں جنگل سے نکل کے اس تارے کو ڈھونڈنا ہے جو ہمیں الورسونگائی لے جائے گا۔''

''وہ کیا ہے؟'' ایڈم بھی باہر نکل آیا۔

''میرے گاؤں کا نام۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ایڈم اس کے پیچھے لپکا۔

''کیا آپ کو وہ تارہ یاد ہے؟''

''مجھے تاروں کا سارا ڈیزائن یاد ہے' میں پہچان لوں گی۔تالیہ کچھ نہیں بھولتی۔'' کہہ کے وہ رکی۔''سوائے اپنی زندگی کے دس گیارہ سالوں کے۔'' اور ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔وہ بھی ہنس پڑا۔

''چے تالیہ' آپ بہت ذہین ہیں۔'' وہ بے اختیار بولا تو تالیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اور آپ جیسے ذہین لوگوں کو کدھر ہونا چاہیئے' جانتی ہیں؟''

''کدھر؟'' مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''جیل میں!'' وہ سنجیدگی سے جتا کے بولا اور آگے بڑھ گیا۔تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔غصے سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر پیچھے لپکی۔

''ابھی وہ جیل بنی نہیں جس میں تالیہ مراد کو قید کیا جا سکے۔''

''بن بھی چکی ہے اور پچھلی رات ہم اس میں گزار بھی آئے ہیں' میڈم!''

''اور وہ توڑی کس نے تھی' ہاں؟'' وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتی اس کے ہمراہ باہر جا رہی تھی۔درختوں کی حدود ختم ہوئی تو سامنے سڑک نظر آئی۔وہ جنگل کو کاٹ کے بنائی گئی تھی اور سیدھی ملاکہ شہر کی فصیل تک جاتی تھی۔

سڑک پہ قدم رکھتے ہی تالیہ نے گردن اوپر اٹھائی تو سیاہ آسمان اپنے تاروں کے ساتھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔وہ چند لمحے اوپر دیکھتی رہی' پھر بازو بلند کر کے اشارہ کیا۔

''اگر ہم اس تارے کو اس جانب رکھیں تو....'' اشاروں سے بتانے لگی۔''ہم الورسونگائی پہنچ جائیں گے۔ہمیں اس سمت میں سفر کرنا ہے۔''

''اوکے!'' ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سڑک کے درمیان میں کھڑے تھے۔ ایک جانب ملاکہ تھا... دوسری جانب کا راستہ الورسونگائی کو جاتا تھا۔ تالیہ نے باری باری دونوں طرف میں دیکھا۔

''ہوسکتا ہے میرے بابا ابھی تک الورسونگائی میں ہوں۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی' پھر چونکی۔ ''لیکن وان فاتح ملاکہ میں ہیں۔''

''لیکن ہمیں پہلے الورسونگائی جا کر آپ کے والد کا اتہ پتہ معلوم کرنا ہے۔ وہاں لوگ کچھ بتائیں گے تو ہم ان کو ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور وان فاتح کو یہیں چھوڑ دیں؟''

''ہم فاتح صاحب کے لئے واپس آئیں گے' مگر ہمیں وہی کرنا ہے جو انہوں نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''اگر بابا قید ہو چکے ہیں تو وہ ملاکہ میں ہی ہوں گے یا کسی دوسرے شہر میں۔ الورسونگائی جانے کا فائدہ نہیں۔''

''لیکن فاتح صاحب نے کہا تھا کہ....''

''تم میں اور مجھ میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟'' وہ تیزی سے بولی۔ چبھتی ہوئی نظریں ایڈم پہ جمی تھیں۔

''میں کتابیں پڑھنا جانتا ہوں' یہی نا؟''

''تم حکم ماننے کے لئے بنے ہو' لیڈ ہونے کے لئے۔ اور تالیہ حکم دینے کے لئے بنی ہے۔ لیڈ کرنے کے لئے۔ اس لئے تم وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔'' انگلی سے سینے پہ دستک دی تو اس کا انداز حتمی تھا اور آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ ''میں وان فاتح کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمیں پہلے ان کا سوچنا ہے۔''

''مگر آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ...؟''

''کہ کیا؟ یہی کہ ان کو قید چھوڑ کے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جاؤں؟ مجھے زیادہ عزیز وہ وعدہ ہے جو انہوں نے ابھی مجھ سے لینا ہے۔ مجھے وہ وعدہ نبھانا ہے۔'' اور اس نے فصیل کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''مگر ملاکہ میں وہ لوگ ہماری تلاش میں ہوں گے۔ ہم ان سے کیسے بچیں گے؟'' تالیہ جواب میں مسکرائی۔

''وہ دو بدحال' پھٹے کپڑوں اور میلے چہرے والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر ہم ایسے نہ رہیں تو وہ ہمیں کیسے ڈھونڈیں گے؟''

ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''بتاتی ہوں۔ پہلے واپس چلو۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے شہر کی دیوار پھلانگنی ہے۔''

وہ سڑک پہ آگے بڑھ گئی۔ اندھیر سڑک' دونوں طرف جنگل اور درمیان میں کھڑا ایڈم.... اس نے ایک بے بس نظر الورسونگائی تک جاتے راستے پہ ڈالی اور پھر تالیہ کے پیچھے چل دیا۔

☆......☆......☆

صبح کی سفید روشنی اس وسیع احاطے میں پھیل رہی تھی۔ پنجرے میں تنہا بیٹھا وان فاتح آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے دور نظر آتے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں شکاری کتے اور گھوڑے واپس آ کھڑے ہوئے تھے۔ نا کام۔ نامراد۔ وہ تالیہ یا ایڈم کو پکڑ کے نہیں لائے تھے۔ اور ان کے سوار آتے ساتھ ہی ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تھے۔ چہرے پہ زخم والا غصے اور حیرت سے کچھ کہہ رہا تھا اور دوسرا آدمی انگلی اٹھا اٹھا کے اس کو کھری کھری سنا رہا تھا۔ فاتح خاموشی سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ جانتا تھا کہ ان کا وقتی جھگڑا تالیہ اور ایڈم کو کافی مہلت دلا چکا ہو گا۔

ایسے میں ایک اور آدمی پنجرے کے قریب آیا' تالہ کھولا اور اسے کندھے سے کھینچ کے باہر آنے کو کہا۔

فاتح نے زور سے کندھا جھٹکا' اور بندھے ہاتھ سیدھے اٹھائے۔

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ میں خود آ رہا ہوں۔'' زبان وہ نہیں سمجھا تھا مگر اشارہ سمجھ گیا تھا۔ رعب تھا یا کیا' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وان فاتح بندھے ہاتھوں پیروں کے ساتھ نیچے اترا اور سر اٹھا کے چمکدار سفید ہوتا آسمان دیکھا۔ گردن سے بندھی رسی پیروں تک جاتی تھی' مگر اس طرح کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا سکتا تھا۔

آدمی اسے اپنے تعاقب میں چلاتا ایک طرف لے آیا۔ عمارت کے دائیں جانب ایک لمبا سا برآمدہ بنا تھا جس میں سلاخوں کے دروازے تھے۔ گویا ایک طویل سا قید خانہ ہو۔ آدمی نے سلاخ دار دروازہ کھولا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر چلا آیا۔ وہ طویل بیرک تھا۔ اور اس میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ نحیف' کمزور' کچھ توانا۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس.... چہروں پہ تھکن اور زخم لئے....کوئی بیٹھا تھا' کوئی لیٹا تھا۔ سب نے اس آدمی کو اندر آتے دیکھا جو گدلے لباس اور چہرے پہ لگی مٹی کے باوجود بارعب اور باوقار لگتا تھا۔

اس کا اغوا کار اب اس کی رسیاں کھولنے لگا۔ فاتح نے مزاحمت کیے بغیر ہاتھ سامنے کر دیے۔ رسیاں کھولنے میں کافی دیر لگی۔ پھر وہ باہر نکل گیا تو وان فاتح نے کلائیاں ہاتھوں سے دبائیں گویا درد سے سکون پانے کی کوشش کی۔

اردگرد تمام قیدی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ بیٹھے ہوئے' کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے۔ سب کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

وہ سلاخ دار دروازے کے ساتھ جا کھڑا ہوا' یوں کہ پشت سلاخوں سے لگا لی' اور چہرہ ان بدحال' مفلس قیدیوں کی طرف موڑ لیا۔ پھر وہ ہاتھ اٹھا کے ماتھے تک لے گیا۔ (سلام) سر کو خم دیا۔

وہ خالی چہرے اور ویران آنکھوں والے لوگ ٹکر ٹکر اس کو تک رہے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟'' ننھی پری نے کان میں سرگوشی کی۔

''یہی کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس حال میں کیوں ہیں؟ کس نے حق دیا ان اغوا کاروں کو کہ وہ جیتے جاگتے آزاد انسانوں کو جانوروں کی طرح اس پنجرے میں قید کر ڈالیں؟'' وہ الجھا ہوا تھا....سوچ رہا تھا۔ لب ہلائے بنا آریانہ کو جواب دے رہا تھا۔

''آپ ان کی فکر کیوں کرتے ہیں؟' ڈیڈ؟ آپ کو مراد اور اس کی چابی کا انتظار کرنا ہے جس کے ذریعے آپ جلد از جلد واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں جہاں ملک کی سب سے طاقتور کرسی آپ کی منتظر ہے۔'' آریانہ پریشانی سے بولی تھی۔ (وہ اس کا سب کانشس مائینڈ تھا جو اسے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔)

وہ دائیں سے بائیں ان خالی چہروں پہ نظریں دوڑا رہا تھا۔ ہر آنکھ میں کرب اور غم کی عجب داستان رقم تھی۔ اس مایوس لمحے میں فاتح رامزل کے اوپر عجیب سا انکشاف ہوا۔

''ہم تینوں کا غلطی سے وہ دروازہ پار کرنا... میں سمجھتا رہا وہ ایک حادثہ ہے... لیکن نہیں۔'' وہ چونک گیا تھا۔ ''وہ حادثہ نہیں تھا۔ میں یہاں کسی وجہ سے آیا ہوں۔ چھ سو سال پہلے کے ملاکہ میں کچھ ہے جو میرا منتظر ہے۔ کوئی مقصد' کوئی کام۔ کوئی شے جو چھ صدیاں پہلے ادھوری رہ گئی تھی اور اسے پورا کرنے کے لئے وقت نے خود کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ ہم وقت کے قیدی ہیں' مگر کسی وجہ سے۔ اور جب تک وہ پوری نہیں ہو گی....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وقت ہمیں واپس جانے نہیں دے گا۔''

آریانہ دھک سے رہ گئی۔

''اور وہ وجہ آپ کو کیسے معلوم ہو گی' ڈیڈ؟''

اس نے ان لٹے پٹے چہروں سے نظر ہٹا کے ساتھ کھڑی بے چین سی آریانہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''کیا کوئی ایسی پہیلی ہے جو تمہارا باپ حل نہ کر سکا ہو' بے بی؟''

مگر آریانہ نہیں مسکرائی۔ وہ پریشانی سے اس کو دیکھے گئی۔

☆......☆......☆

ملاکہ کا قدیم شہر جاگنے لگا تھا۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی لوگ اٹھ اٹھ کے کام کے لئے گھروں سے باہر نکلنے لگے تھے۔ ایسے میں وقت کے وہ دو مسافر ایک گھر کے باہر کونے میں چھپے بیٹھے تھے۔

وہ لکڑی کا دو منزلہ گھر تھا۔ اوپر ٹیرس' اور کمروں کے دروازے بنے تھے۔ سیڑھیاں بیرونی تھیں۔ گھر کی چھت دوسرے گھروں کی طرح لکڑی کی مخروطی طرز کی تھی۔ وہاں ساری گلی میں مخروطی چھتوں والے لکڑی کے ایک جیسے گھر ہی بنے تھے۔

دفعتاً ٹیرس کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر جاتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے گیا' وہ دونوں دیوار کی اوٹ سے نکلے اور جھک کے چلتے ہوئے تیزی سے کمرے میں جا گھسے۔ تالیہ آگے تھی اور ناخوش سا ایڈم پیچھے۔ باہر ابھی تک جامنی اندھیرا پھیلا تھا۔

اندر آتے ہی جو منظر سامنے آیا' اس میں زمین پہ فرشی بچھونا بچھا تھا جس پہ ایک ننھا بچہ سو رہا تھا اور ایک عورت ان کی جانب پشت کیے چادر جھاڑ رہی تھی۔ تالیہ بلی کی چال چلتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ عورت کو مزاحمت کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اس

کے بازو کے نرغے میں چند لمحوں میں بے ہوش ہوگئی۔تالیہ نے احتیاط سے اسے اس کے بچھونے پہ ڈال دیا۔

''جب یہ جاگے گی تو اسے لگے گا یہ کمزوری سے چکر کھا کے گر گئی تھی۔'' وہ مڑی تو دیکھا' ایڈم ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا اس عورت کو تکلیف دینا ضروری تھا؟''

''تو کیا کہتی؟ محترمہ' ہم آپ کے گھر چوری کرنے آئے ہیں' خاموشی سے سائیڈ پہ ہو جائیں اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں؟''

'کانٹ بلیو میں ایک چوری کی واردات میں شریک ہو رہا ہوں۔''

''اس سے پہلے تم دھوکہ دہی کی واردات میں بھی شریک ہو چکے ہو جب تم مجھے دھوکہ دے کر فاتح صاحب کو سن باؤ کے گھر لے آئے تھے....چابی جوڑ کے۔اس لئے زیادہ پارسا نہ بنو۔''

''اللہ نے زندگی رکھی تو واپس جاتے ہی اپنے ہاتھوں سے آپ کو جیل بھجواؤں گا۔'' وہ جل کے بولا تھا۔تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ صندوقوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''یہ کھاتا پیتا گھرانہ لگ رہا ہے۔قیمتی چیزیں ہوں گی ان کے پاس۔خدا کرے اس گھر میں کوئی اور نہ ہو۔اس لئے جلدی سے اپنے لئے کپڑے ڈھونڈو۔خاوند کے آنے سے پہلے ہمیں تیار ہو کے یہاں سے نکلنا ہے۔'' وہ صندوق کھول کے کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔کمرے کی دیوار پہ لگی مشعل جل رہی تھی اس لئے سب صاف نظر آ رہا تھا۔

بچہ ہنوز سویا ہوا تھا۔

فجر باسی ہوگئی اور ملاکہ پہ سورج طلوع ہونے لگا تو شہر کی گلیوں نے دیکھا۔وہ دونوں چپکے سے سیڑھیاں اتر کے گلی میں آ گئے تھے اور اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

اور یہ وہ بدحال وقت کے مسافر ہرگز نہ لگتے تھے۔

تالیہ نے جامنی ریشمی باجو کرنگ پہن رکھا تھا۔پیروں تک آتا لہنگا نما لباس' اور گھٹنوں تک آتی قمیص' کندھے سے دوپٹہ گزار کے دوسرے پہلو پہ باندھ لیا تھا۔انگلیوں میں دو انگوٹھیاں اور گردن میں موتیوں کی مالا تھی۔حمام میں رکھے عجیب دودھ سے بنے ملغوبے سے اس نے بال بھی دھو لئے تھے۔کنگھی بھی کی تھی۔اور اب سنہری بال کنگھی ہوئے چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے۔کان میں مصنوعی بڑا سا پھول لگا رکھا تھا۔اور سر پہ ہیٹ پہن رکھا تھا یہ ملے طرز کا ہیٹ تھا نہ کہ انگریزی طرز کا جو وہ ملائیشیاء میں پہنتی تھی۔یہ الٹے لٹو کی شکل کا تھا اور ڈوری تھوڑی تلے اڑس دی جاتی تھی' یوں کہ آدھا چہرہ چھپ جاتا تھا۔

ایڈم نے بھی ایسا ہی ہیٹ پہن رکھا تھا۔نیچے کھلا سا پاجامہ' اوپر لمبی قمیص' اور اس پہ نیلے رنگ کی پتلی جیکٹ جو سامنے سے کھلی تھی۔ گویا کوٹ ہو۔یہ مقامی لباس تھا اور اس پہ کافی کھلا تھا۔

شہر جاگنے لگا تھا۔لکڑی کے مکان ....ان کے درمیان آتے جاتے لوگ۔کافی عورتوں کے سروں پہ دوپٹے تھے۔اور لباس کھلے سے تھے۔مردوں کے لباس ایڈم کی طرح تھے۔چند ایک نے گزرتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا بھی۔

غیر آرام دہ ایڈم جو بدقت کھلے جوتوں میں چل رہا تھا۔اور گردن کڑا کے شانِ بے نیازی سے چلتی تالیہ۔

''سنو....تم میرے بھائی ہو۔'' راستے میں ہدایت دی۔

اللہ مجھے جہنم میں بھی آپ کا بھائی نہ بنائے۔''

''میں کور اسٹوری بتا رہی ہوں۔'' وہ بنا اثر لئے بولی۔''ہم چین سے آئے ہیں۔مصالحوں کا کاروبار کرتے ہیں۔اس زمانے میں یہی کاروبار بہت اِن تھا۔لوگ انڈیا سے سمندر کے راستے ملاکہ کی بندرگاہ تک آتے اور مصالحے بیچتے تھے۔''

''تو ہم انڈیا سے کیوں نہیں آئے؟ چین سے کیوں آئے ہیں؟''

''کیونکہ ہم انڈین نہیں لگتے' ڈفر۔ہم چینی لگتے ہیں۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے قدم اٹھا رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ دونوں بازار کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔وہاں لکڑی کی دکانیں گلیوں میں بنی تھیں۔قہوہ خانے بھی تھے جہاں باہر کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ریڑھیوں پہ سامان رکھ کے بھی لوگ فروخت کر رہے تھے۔غرض فجر کے ساتھ ہی بازار میں گہما گہمی کا عالم تھا۔بس ایک چیز نہ تھی جو آج کی دنیا میں ہوتی تھی۔شور۔ٹریفک کا' موسیقی کا' آوازوں کا۔اوں ہوں۔ہرگز نہیں۔آبادی کم تھی۔لوگوں کے اپنے بولنے کی آوازیں ہی آ رہی تھیں بس۔وہ دونوں باوقار چال چلتے آگے بڑھتے گئے۔

جہاں کئی عورتیں سر سے پیر تک ڈھکی تھیں' وہاں کئی کندھوں سے گھٹنوں تک کا لباس پہنے ہوئے تھیں' یوں کہ کندھے بھی برہنہ تھے۔اونچے جوڑے بنائے وہ مردوں کے ساتھ بازار میں کام کر رہی تھیں اور انہیں کوئی ہراساں نہیں کر رہا تھا۔

''عجیب ماحول ہے چھ سو سال پہلے کے ملاکہ کا۔'' وہ اچنبھے سے بڑبڑائی۔

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' وہ جتا کے بولا تھا۔''اور ہم بازار میں کیا کر رہے ہیں۔ہمارے پاس پیسے تو ہیں ہی نہیں۔''

ایک یہی چیز تھی جو ان صندوقوں سے نہ ملی تھی۔ایک سکہ یا دمڑی بھی نہیں۔غالباً وہ اپنے پیسے کہیں چھپا کے محفوظ رکھتے تھے۔

تالیہ رک گئی۔ایک دکان کے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھا جو کپڑے کا ایک تھیلا اٹھا رہا تھا۔پھر اس نے سونے کا ایک سکہ دکاندار کی طرف بڑھایا۔

''سونا۔ہمیں سونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑائی۔زیرک نگاہیں چاروں اطراف میں دوڑائیں۔قدیم زمانے کے اس بازار میں لوگ معمول کی خریداری کر رہے تھے۔نگاہ ایک عورت پہ جا رکی جو لہنگے قمیص اور سر پہ دوپٹے میں ملبوس تھی' اور ایک سبزی کی ریڑھی پہ کھڑی' مختلف قسم کے پالک کے پتے اٹھا اٹھا کے دیکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور کلائی میں موٹے کنگن تھے۔

”تم یہیں رکو۔ میں ابھی اس کے ہاتھ سے تھوڑا سا زیور اتار کے لاتی ہوں۔“

”ہیں؟“ ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”مگر کیسے؟“

تالیہ نے ہیٹ ذرا سر پہ اوپر کیا تو دھلا دھلایا صاف چہرہ اور اس پہ چھائے مشکوک تاثرات ایڈم کو نظر آئے۔

”کیوں؟ تمہیں کیوں بتاؤں؟ تا کہ کل کو تم وہی تکنیک سیکھ کے چوریاں کرتے پھرو اور تمہارا گناہ بھی میرے سر آئے؟“

”آپ مجھے اچھی نیت سے بتا دیں نا۔ میری حفاظت کی نیت سے۔ تا کہ کل کو اگر میں بھرے بازار میں ہوں تو مجھے معلوم ہو کہ چور اچکے کیسے میرے ہاتھ سے گھڑی اتار سکتے ہیں اور میں ان کو موقع نہ دوں۔“

تالیہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ بات میں وزن تھا۔

”ویسے تو یہ کام پریکٹس سے آتا ہے مگر تکنیک یہ ہے کہ....“ وہ نخریلے انداز میں شانِ بے نیازی سے بولی۔ ”پہلے ٹارگٹ سے ہاتھ ملاؤ۔ زور سے۔ اور اس کی گھڑی یا انگوٹھی کو زور سے دباؤ۔ جب بھی ہاتھ میں پہنی چیز زور سے دبائی جاتی ہے تو ہماری جلد پہ وہ ایک ”احساس“ چھوڑ جاتی ہے۔ اگلے ہی لمحے گھڑی کو آہستہ سے اتار لو۔ مگر چونکہ زور سے دبایا تھا‘ تو ٹارگٹ کو لگے گا کہ اس نے ابھی تک ہاتھ میں کچھ پہن رکھا ہے۔ اسے کافی دیر بعد سمجھ آئے گی کہ اس کا ہاتھ خالی ہے۔ آئی سمجھ؟“

ایڈم نے حیرت اور بے یقینی سے دونوں ابرو اٹھائے۔ ”واؤ....اور گردن سے زیور کیسے اتارا جاتا ہے؟“

”تم کون سا زیور پہنتے ہو گردن میں جو میں تمہیں تمہاری حفاظت کے لئے اس تکنیک کا راز بتاؤں۔ چپ کر کے کھڑے رہو ادھر۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔“ ناک سکوڑ کے ہونہہ کہتی آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بظاہر ریڑھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس پہ بڑے بڑے دوریان (ایک قسم کا پھل) رکھے تھے۔ ان کی مہک اتنی تیز تھی کہ ہر سو پھیلی تھی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگا۔ دوکاندار نے کچھ کہا تو وہ گڑبڑا کے مسکرا دیا اور پھل واپس رکھ دیے۔

کنکھیوں سے تالیہ اس عورت سے ٹکراتی‘ پھر اس کے ہاتھ تھام کے خود کو سنبھالنے کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتی نظر آ رہی تھی۔ لمحوں بھر کا کھیل تھا۔ وہ واپس آئی اور رومال میں چھپے کڑے دکھائے۔ انگوٹھی اس نے انگلی میں پہن بھی لی تھی۔

”اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیجیے گا‘ توانکو۔“ ایڈم محمد نے بے اختیار آسمان کو دیکھا۔ ”میں صرف اپنی جان بچانے کے لئے ان خاتون کا ساتھ دے رہا ہوں جن کے جہنم میں جانے میں مجھے کوئی شک نہیں رہا۔“

وہ کرارا سا جواب دیتی مگر ایک دم ہر طرف شور سا مچا۔ آوازیں۔ گھوڑوں کی ٹاپ۔ لوگ دونوں اطراف میں ہٹنے لگے۔ ہٹو بچو کے نعرے لگے۔ بگل....اعلانات....راستہ صاف ہونے لگا۔

وہ دونوں بھی جلدی سے ایک دکان کے چھپر تلے آ کھڑے ہوئے۔

''کیا ہو رہا ہے؟ راستہ کیوں صاف کیا جا رہا ہے؟'' وہ حیران پریشان سا تالیہ سے پوچھنے لگا کیونکہ اعلان اور نعروں کی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

تالیہ یک ٹک اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے کوئی قافلہ سا آ رہا تھا۔

''چے تالیہ.... بتائیں نا.... یہ اعلان کس چیز کا ہے؟''

''شہزادی۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی۔ ''ملاکہ کی شہزادی کی سواری آ رہی ہے۔ ادب سے راستہ چھوڑا جا رہا ہے۔'' اس کی آنکھیں اس طرف لگی تھیں۔ ان میں تپش سی ابھرنے لگی تھی۔

''ظالم شہزادی آ رہی ہے ایڈم.... وہ دیکھو۔''

سب کچھ سلوموشن میں ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم نے فوراً اس جانب دیکھا۔ کچھ جوش، کچھ خوشی سے۔

شمال کی سمت سے قافلہ سا آ رہا تھا۔ آگے گھڑسوار تھے۔ کوئی بگل بجا رہا تھا۔ کوئی تلواریں تانے ہوئے تھا۔ درمیان میں شاہی طرز کی بگھی تھی۔ سونے چاندی کے تاروں سے اس پہ نقش ونگاہ ہوئے تھے اور سیاہ چمکدار گھوڑے اس میں جتے تھے۔ وہ سست روی سے چل رہی تھی۔ بگھی کی کھڑکی کھلی تھی، پردہ ہٹا تھا اور اندر.... تالیہ نے انہی پرتپش نگاہوں سے بگھی کو دیکھتے گردن اونچی کی....

گھوڑے قریب آ رہے تھے۔ دونوں طرف لوگ شوق اور رعب کے زیر اثر شاہی سواری کو دیکھ رہے تھے۔ نعرے بھی گونج رہے تھے.... جو یقیناً شہزادی کے حق میں تھے.. جواب میں کھڑکی سے انگوٹھیوں سے مزین خوبصورت ہاتھ نکلا۔ اب شہزادی اپنے ہاتھ سے ان نعروں کا جواب دے رہی تھی۔ بگھی کے پہیے قریب آ رہے تھے۔ جہاں ایڈم دم بخود کھڑا تھا وہاں تالیہ کا سانس تک رک چکا تھا۔

کھڑکی قریب آئی۔ اندر بیٹھی عورت کا نیم رخ نظر آیا۔ بڑا سا تاج جس سے لڑیاں نکل رہی تھیں۔ سرخ لباس جس کے کندھوں پہ سنہرے تاروں کا کام نظر آ تا تھا۔ بندھے بالوں کا جوڑا اور کانوں میں لمبے لمبے ہیروں اور سونے کے آویزے۔ لبوں پہ سرخ لب اسٹک۔ وہ خوشبوؤں میں بسی شہزادی خوب گوری اور چھوٹی آنکھوں والی تھی۔ کافی خوش شکل تھی۔ بس خوش شکل۔ مسکرا کے اب وہ اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں تالیہ اور ایڈم کھڑے تھے۔

تالیہ بنا پلک جھپکے نگاہیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

دفعتاً شہزادی کی نظریں تالیہ مراد پہ آ رکیں۔ تالیہ نے ہیٹ اوپر اٹھایا۔ سنہری بال اور ان کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ زخم کے نشان اور آنکھوں کی سرد نفرت....

شہزادی کی کاجل لگی آنکھوں نے چند لمحے تک اس لڑکی کو دیکھا پھر نگاہیں آگے لے گئی۔ مگر وہ.... وہ انہی سرد نظروں سے اس کو دیکھے گئی۔ بگھی دور چلی گئی۔ سپاہیوں کے گھوڑے آگے بڑھ گئے۔

ایک سحر سا ٹوٹا۔

''اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنا سنا تھا۔'' ایڈم مایوسی سے بولا۔ تالیہ نے تلخی سے سر جھٹکا۔ پھر ساتھ کھڑے بوڑھے آدمی کو دیکھا۔ وہ بھی دور جاتے قافلے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''کیا آپ لوگ شہزادی کو پسند کرتے ہیں؟'' آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ مسکرائی۔

''میں اور میرا بھائی پہلی دفعہ چین سے ملاکہ آئے ہیں' علاقے سے واقف نہیں ہیں اس لئے پوچھ رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ مختلف تھا اور وہ یہ زبان ٹھیک سے بول نہیں سکتی تھی۔ مگر آدمی سمجھ گیا۔ سر ہلایا۔

''جب اتنے مسلح سپاہی ساتھ ہوں تو کون شہزادی کو ناپسند کر سکتا ہے۔'' انداز میں طنز تھا۔

''میں نے سنا ہے شہزادی بہت ظالم ہے۔ الور سونگائی سے بہت سے لوگ قید کروائے ہیں اس نے۔''

''ایسا ہی ہوا ہے۔ پورے ہفتے سے گرفتاریاں جاری ہیں۔ سارے قید خانے بھر چکے ہیں۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ یہ قید خانے کہاں ہوں گے؟'' وہ سرسری سا پوچھ رہی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ آدمی نے کندھے اچکا دیے۔

''محل میں ہی ہوں گے مگر یہ ظلم شہزادی نے اکیلے نہیں ڈھایا۔ بنداہارا اس میں برابر کا شریک تھا۔ یہ سارے بندے اسی کی ایما پہ پکڑے گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے وہ اس کا باپ ہے' دونوں ایک جتنے ہی قصوروار ہیں۔'' وہ تنفر سے بولی۔

بوڑھا گردن گھما کے ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

''کس کا باپ؟''

''شہزادی تاشہ کا باپ۔ ملاکہ کا بنداہارا (وزیر)۔''

بوڑھے آدمی کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''بنداہارا شہزادی کا باپ نہیں ہے اور یہ شہزادی ''یان سوفو'' تھی' جو چین کے بادشاہ کی بیٹی ہے اور مرسل شاہ سلطان کی ہونے والی بیوی۔ بنداہارا تو سلطان کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ شہزادی سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

تالیہ ہکا بکا رہ گئی۔ سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کون ہے؟'' وہ آدمی اتنا ہی حیران تھا۔ ایڈم بے بسی سے ترجمے کا منتظر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی تاشہ... ملاکہ کی شہزادی... بنداہارا کی بیٹی... جس کے قصے دور دور تک مشہور ہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ کچھ غلط تھا۔

''میں نے محل میں کافی عرصہ کام کیا ہے' بیٹی۔ ہمارے ملک میں تاشہ نام کی کوئی شہزادی نہیں ہے۔ میں یہ نام پہلی دفعہ سن رہا ہوں۔''

تالیہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ تاریخ کی کتابیں کیسے غلط ہو سکتی تھیں؟

''تو پھر.... بنداہارا کی بیٹی کا کیا نام ہے؟''

''پچھلے بنداہارا کی تو کوئی بیٹی ہی نہیں تھی.... دو بیٹے تھے مگر پانچ زور قبل اس کو پھانسی دے دی گئی اور بیٹے جلاوطن کر دیے گئے۔ اس نے سلطان کے پھوپھی زاد کے ساتھ مل کے سارے پمبو رو کے لوگوں کو پکڑ وایا' مگر وہ سلطان کا پھوپھی زاد.... اس نے محل میں آتے ہی بنداہارا کا پتا بھی صاف کر دیا اور خود نیا بنداہارا بن بیٹھا۔''

''اور اس کی بیٹی؟'' اس کی آواز کانپی۔

''اس کی ایک ہی بیٹی تھی۔ دس گیارہ سال کی۔ وہ چند دن پہلے کھو گئی تھی۔ مگر راجہ مراد کو لگتا ہے اپنی بیٹی کے کھونے کا کوئی غم نہیں ہے۔'' بوڑھا آدمی افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ''سب جانتے ہیں وہ سلطان سے ناراض ہو کے الور سونگائی میں جا بسا تھا۔ سب جانتے ہیں وہ خود پمبو رو تھا مگر اس نے اپنے ساتھیوں سے غداری کی۔ چال چلی۔ اس نے سارے لوگوں کو پکڑ وا دیا اور سلطان کا پسندیدہ بن بیٹھا۔ پچھلا بنداہارا شہزادی ''یان سوفو'' کا ہمدرد تھا۔ اسی کی طرح ظالم' مگر راجہ مراد ''یان سوفو'' سے زیادہ ظالم ثابت ہونے والا ہے۔ سلطان آنکھیں بند کر کے اس پہ اعتبار کرتا ہے اور سچ پوچھو۔ تو اس وقت.... سرزمینِ ملاکہ کا سب سے طاقتور شخص.... اصل بادشاہ.... راجہ مراد ہی ہے.... وہ ہمیشہ سے شاہی خاندان کا حصہ تھا.... چند سال غریب لوگوں کے ساتھ رہ کے بھی وہ نہیں بدلا۔ وہی تکبر' وہی طاقت کی حرص۔'' بوڑھا نفرت اور غصے سے بول رہا تھا۔ ساتھ کھڑے دو آدمی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

تالیہ مراد سفید چہرے کے ساتھ پیچھے ہٹی۔ ایک قدم.... دو قدم۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سرخ آنسو جن میں خوف تھا۔ وحشت تھی۔ بے یقینی تھی۔

''راجہ مراد کہاں رہتا ہے؟''

''ابھی تو وہ سبز پہاڑی والے محل میں رہائش پذیر ہے۔ یہاں سے چند کوس دور.... اس طرف....'' ایک آدمی جوش سے بتانے لگا۔ وہ مردہ چہرے کے ساتھ پلٹی۔ ایڈم ناسمجھی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''چے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا۔''

تالیہ نے اسی سمت قدم اٹھاتے زیور کی پوٹلی اس کی طرف بڑھائی۔

''تم یہیں رکو۔ میرا انتظار کرو۔''

''مگر میں کیسے...''

"حکم مانو ایڈم۔حکم مانو۔" وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔قدم رک نہیں رہے تھے۔وہ چلتی جا رہی تھی۔ایڈم وہیں ٹھہر گیا۔حیران پریشان۔

فاصلہ زیادہ نہ تھا۔راستے صاف تھے۔آبادی کم تھی۔راستہ بتانے والے بہت تھے۔وہ ساحل کی سمت میں جا رہی تھی۔بے جان قدموں سے۔توانا قدموں سے۔سرد مردہ دل سے۔گرم کھولتے ہوئے دل سے۔پتھریلی آنکھوں سے۔آگ کی لپٹیں لئے آنکھوں سے۔

سڑک کے اردگرد اونچے ناریل کے درخت لگے تھے۔سڑک پہاڑی پہ اوپر تک جاتی تھی۔ایک طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا۔جہاں سپاہی تھے۔کشتیاں کھڑی تھیں۔وہ سڑک کے آغاز پہ رکی اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔

سامنے سبز پہاڑی کی چوٹی پہ ایک خوبصورت محل واقع تھا۔

بھوری لکڑی کا بنا مخروطی چھت کا اونچا محل۔

اس کی چاردیواری کا بیرونی گیٹ بند تھا اور باہر شاہی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

تالیہ بنتِ مراد نے ہیٹ کی ڈوری دو انگلیوں سے کھینچی اتنے زور سے....اتنے زور سے۔' کہ وہ ٹوٹ گئی اور ہیٹ نیچے جا گرا۔

سمندر سے آتی ہوا سے اس کے سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگے۔اور ان کے ہالے میں دمکتا سفید گلابی خوبصورت چہرہ دور سے پہریداروں کو نظر آنے لگا۔وہ چوکنے ہو گئے

"وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔"

وہ چمکدار آنکھیں محل پہ جمائے قدم قدم اوپر سڑک پہ چڑھ رہی تھی۔دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔"

شاہی پہریدار رک کے اس کو دیکھنے لگے جو جامنی لباس میں' گردن میں موتی پہنے نیچے سے اوپر چلتی آ رہی تھی۔(چرچ کے احاطے میں وہ ایک ڈری سہمی لڑکی ہے جس کو مسز ماریہ نے نرمی سے تھاما ہے....اور اسی نرمی سے اس کا بریسلیٹ اتار لیا ہے۔)

"وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔" وہ دھیرے دھیرے اوپر چڑھ رہی تھی۔سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

(مسز ایگنیس نے اسے چور کہتے ہوئے زور سے اس کے منہ پہ تھپڑ مارا ہے....گیارہ سالہ بچی تیورا کے نیچے جا گری ہے۔اب وہ چلا چلا کے اپنے پیسوں کا پوچھ رہی ہیں۔)

"جب وہ دربار میں آتی تو وزراء' درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔"

(وہ دبے پاؤں رات کو یتیم خانے کے فریج سے بن نکال کے منہ میں ٹھونس رہی ہے۔خوف سے بار بار دروازے کو بھی دیکھتی ہے۔)

تالیہ مراد بنا پلک جھپکے پتھر نگاہیں گیٹ پہ جمائے اوپر چڑھ رہی تھی۔قدم بہ قدم۔

"وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔"

(وہ گھاس پہ بیٹھی اسکیچ بنا رہی ہے.... مسکرا رہی ہے اور زرد گلاب کوٹ میں اٹکائے ذوالکفلی اس کے ساتھ بیٹھا کسی بات پہ ہنس رہا ہے۔)

''وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔''

(وہ لاہور کے اس بنگلے میں فرش پہ پوچا لگا رہی ہے.... رگڑ رگڑ کے.... اور قریب بیٹھی 'ماں' کی اردو اور پنجابی کی گالیاں سن رہی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔)

''تیراندازی' تلوارزنی' گھڑسواری' نیزہ بازی.... وہ سب جانتی تھی۔''

(وہ اونچے اڑتے غباروں پہ ایک کے بعد ایک کر کے تیر چلا رہی ہے.... کمان ہاتھ سے کھینچی جاتی ہے اور ایک زوردار تھپڑ اس کو آ کے لگتا ہے۔)

''وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔''

(وہ تاریک کمرے میں لیمپ جلائے کتابیں کھولے بیٹھی پڑھ رہی ہے.... ہاتھ میں سیب ہے جسے وہ ساتھ ساتھ کھا بھی رہی ہے۔)

''رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔''

(وہ ذوالکفلی کے ساتھ جم میں کھڑی ہے۔ اوپر لگے ہینڈل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ اپنے پیر مشقت سے زمین سے اٹھا لیتی ہے۔ اور وہ گھڑی پہ وقت نوٹ کر رہا ہے۔ پھر اسے مزید بہتر کرنے کے لیے کہتا ہے۔)

''چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو وہ پکا نہ سکے۔''

(وہ سوپ پارلر کے کچن کے کاؤنٹر ٹاپ پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی ہے' سر پہ جالی دار ٹوپی ہے اور سوپ بناتے بوڑھے شیف سے ہنس کے کچھ کہہ رہی ہے۔)

''کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔''

(وہ حفاظتی عینک لگائے' دستانے پہنے احتیاط سے ایک گلدان پہ دھاگے لپیٹ رہی ہے۔ ساتھ ہی اصلی قدیم گلدان پڑا ہے جس کی جگہ اس کو یہ گلدان رکھنا ہے۔)

''وہ حرم کی نگران تھی۔''

(وہ تھپڑوں اور ٹھڈوں سے موٹی دردانہ کو فرش پہ گرائے مار رہی ہے۔ دردانہ ہاتھ جوڑ رہی ہے۔ اس کا خون بہہ رہا ہے۔ مگر وہ اس کو پیٹے چلی جا رہی ہے۔)

''بنداہارا کی سب سے قابل اعتماد مشیر۔''

(وہ ائیرپورٹ کے باتھ روم سے ڈر ڈر کے بیگ لئے نکلتی ہے۔ خوف.... ڈھیر سارا خوف۔)

''وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔''

(وان فاتح اس کو اسٹڈی میں بلا کے اسے فائل کی وجہ سے چور کہہ رہا ہے...پھر وہ عصرہ کو زیرِ لب کوستی تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی ہے۔)

''غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟''

(وہ جنگل میں ہرنوں کو دور درختوں سے چھپ کے دیکھ رہی ہے۔ پھر تاک کے خنجر مارتی ہے۔ خنجر فضا میں تیرتا ہوا سیدھا ننھے غزال کی گردن میں جا لگتا ہے۔ وہ وہیں تڑپ کے گر جاتا ہے۔ سرخ خون بہہ رہا ہے۔)

''اسی لئے اس کو تاشہ پسونا کہا جاتا تھا۔''

تالیہ مراد چلتے چلتے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔ پہریدار برہمی اور ناگواری سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟ کس سے ملنا ہے؟'' گرج کے پوچھا۔

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے باری باری ان تینوں کو دیکھا۔

(''پسونا یعنی enchantress۔'')

''راجہ مراد کو باہر بلاؤ۔ میں راجہ سے ملنے آئی ہوں۔'' اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اوپر محل کی ایک کھڑکی میں کھڑے آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تھا۔

(ساحرہ....)

تالیہ نے آنکھیں مزید اوپر اٹھائیں۔ دور محل کی کھڑکی میں کھڑا شخص....جو سونے کے تاروں سے مزین شاہی چغے میں ملبوس تھا....اور جس کے سر پہ قیمتی کپڑا بندھا تھا....وہ کوئی لکڑہارا....کوئی مفلوک الحال آدمی نہ تھا۔

وہ اٹھی گردن والا....عقابی نگاہوں سے اسے دیکھنے والا....راجہ مراد ہی تھا۔

اور وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اچنبھے سے گیٹ پہ کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گردن اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور تم ہو کون؟'' پہریدار نے گرج کے پوچھا۔

''میں؟'' اس نے اپنے سینے پہ انگلی رکھی۔ نظریں اوپر پہ جمی تھیں۔

''میں راجہ مراد کی بیٹی ہوں۔'' بلند آواز میں کہا۔

کھڑکی میں کھڑا آدمی سن رہ گیا۔ یک ٹک۔ بے سدھ۔

''راجہ کی ایک ہی بیٹی تھی جو....'' پہریدار نے مداخلت کی کوشش کی۔

''جو پانچ دن پہلے کھو گئی تھی' میں جانتی ہوں۔ اس کا نام تالیہ تھا۔ میں وہ نہیں ہوں۔ میں راجہ کی بڑی بیٹی ہوں' اس کی چینی بیوی کی واحد اولاد جس کو راجہ نے چین بھیج دیا تھا۔ اور اب راجہ نے ہی مجھے واپس بلایا ہے۔'' اسکا مرنے کہانی گھڑ لی تھی۔ ''اس لئے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ' اور دروازے کھول دو کیونکہ میں....میں بندہارا کی بیٹی ہوں۔'' وہ گردن اٹھائے اونچی گرج دار آواز میں کہہ رہی تھی۔

انگلی سے سینے پہ دستک بھی دے رہی تھی۔ منتقم آگ برساتی نظریں اوپر جمی تھیں۔ پہریداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں دروازہ کھولو.....کیونکہ میں.....میں ملاکہ کی شہزادی ہوں.....جاؤ اور بندہارا کو خبر کرو۔''

پہریدار نے سر کو قدرے ادب سے خم دیا۔

''اور.....شہزادی.....میں کس نام سے ان کو خبر کروں؟''

(وہ آرٹ گیلری کے آفس میں کھڑی تھی۔ اور عصرہ مسکرا کے سامنے کھڑے فاتح سے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ ''یہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے رسماً بولا۔ ''کیسی ہو تم' تاشہ؟'')

''میرا نام.....'' تالیہ نے اٹھی گردن اور سرد آنکھوں سے اوپر دیکھتے کہا۔

''تاشہ بنتِ مراد راجہ ہے۔ بنداہارا سے کہو...اس کی بیٹی شہزادی تاشہ آئی ہے...''



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔